دِیَۃُ الْمَرْأَۃِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ دِیَۃِ الرَّجُلِ
عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے (حدیث نبوی)

اسلام میں عورت کی دیت

از قلم
علامہ سید احمد سعید کاظمی

بزم سعید ۔ لاہور

دِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے (حدیث نبوی)۔

اِسلام میں عورت کی دیت

از قلم

علامہ سید احمد سعید کاظمی

صدر مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان

صدر مرکزی تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان

شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ انوار العلوم ملتان

بزمِ سعید ۰ لاہور

نام کتاب ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ اسلام میں عورت کی دیت
تصنیف ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ علامہ سید احمد سعید کاظمی
تصحیح ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ مولانا حافظ عبدالستار سعیدی
تحریک ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی
ناشر ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ بزم سعید لاہور
قیمت ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ۷.۵۰ روپے
کتابت ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ محمد خالد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
باراول ۱۹۸۵ء ــــ ــــ ــــ ــــ ایک ہزار
مطبع ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ نصرت پریس لاہور

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور ــــ ــــ ــــ ــــ

فریدیہ بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

شرکت حنیفیہ گنج بخش روڈ لاہور ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

مکتبہ نوریہ گنج بخش روڈ لاہور ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ

پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی، ادارہ تحفظ دین، شاداب کالونی، ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اسلام اور قرآن کا نام لے کر اسلام کے طے شدہ مسائل کو ایسے نازک دور میں چیلنج کیا جا رہا ہے جب کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا موقع ہے پچھلے دنوں "تدبر" اور "الاعلام" میں "رجم" کے خلاف بڑی شد و مد کے ساتھ مضامین شائع ہوئے فقیر نے نہایت بسط و تفصیل سے قوی دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا اور اسے "رجم اسلامی سزا ہے" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

اب "عورت کی نصف دیت" کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جو اخبارات کے ذریعے پورے ملک میں پھیلا دیا گیا۔ فقیر نے ایک مبسوط مضمون اس کے رد میں لکھا۔ جس کا اکثر حصہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اگر اسلام اور قرآن کے منکرین کی طرف سے دین کے ان متفقہ مسائل کے خلاف آواز اٹھتی تو کوئی حیرت ہوتی نہ شکایت۔ مگر تعجب اور افسوس اس بات پر ہے کہ اسلام اور قرآن کا نام لے کر اسلامی اور قرآنی احکام کو مسخ کرنے کی سعی مذموم کی جا رہی ہے جو ایک بہت

بڑا المیہ ہے۔

"دیت" کے بارے میں فقیر کا یہ پورا مضمون کچھ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ اب کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے اس کی اشاعت کا اہتمام فاضل محترم علامہ محمد صدیق ہزاروی نے بزم سعید لاہور کے اراکین کے تعاون سے فرمایا۔ جب کہ کتابت کی تصحیح کی خدمت جناب مولانا حافظ عبد الستار صاحب نے پوری محنت سے انجام دی جس کے لیے فقیر ان دونوں اہلِ علم حضرات اور اراکینِ بزم سعید لاہور کا شکر گذار اور ان کے حق میں دعا گو ہے۔

علالت و ضعف اور دیگر علمی مصروفیات کے باوجود اثباتِ مدعیٰ اور ازالہ شکوک و شبہات کی فقیر نے پوری کوشش کی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کوشش کو کامیابی سے ہمکنار فرما کر شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین۔

احمد سعید کاظمی

۲۳ جنوری ۱۹۸۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ دیت میں دلائل پر کلام کرنے سے پہلے عرض کروں گا کہ احکامِ شرعیہ جن حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں اور جو اسرارِ الہیہ ان میں پائے جاتے ہیں، کتاب و سُنت کی روشنی میں اگر انہیں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ عورت کے قتلِ عمد میں قصاص اور اس کے قتلِ خطاء میں نصف دیت کا حکم کتاب و سُنت کی روح کے عین مطابق ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے دو باتیں پیشِ نظر رکھی جائیں ایک یہ کہ مسلمان عورت اور مسلمان مرد انسان اور مسلمان ہونے میں مساوی ہیں دوسری بات یہ کہ عورت کی خلقت میں مرد کی بہ نسبت کمزوری اور کمی پائی جاتی ہے۔

یوں تو انسان مطلقاً ضعیف پیدا کیا گیا۔ عام اس سے کہ وہ مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا"۔ (سورۃ نساء آیت ۲۸)

یہی وجہ ہے کہ اسے اعمالِ شاقہ کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔ (سورۃ بقرۃ آیت ۲۸۶)

لیکن مرد کی بہ نسبت عورت زیادہ کمزور ہے اور اس کی خلقت میں مرد کی خلقت

سے کمی پائی جاتی ہے۔ اسی لیے عورت کو صنفِ نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نزاکت درحقیقت اس کی کمزوری اور خلقت میں کمی ہے۔

عربی میں عورتوں کو "نساء" کہا جاتا ہے جو "نسی العمل" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں "ترك العمل" (المنجد ص۸۰۰)

عمل طاقت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ترکِ عمل طاقت نہ ہونے کا مشعر ہوگا۔

مرد کو اہلِ عرب لفظ "الرجل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کا اصل مادہ قوت کے معنیٰ میں آتا ہے (روح المعانی پ۵ ص۱۱۶، تفسیر کبیر ملخصاً ص۲۷ ج ۲۰)

"ہذا ارجل الرجلین" کے معنیٰ ہیں "اشد الرجلین" یعنی دو آدمیوں میں جو زیادہ طاقتور ہو اسے "ارجل الرجلین" کہا جاتا ہے (تاج العروس ص۲۳۵ ج ۷)

لسان العرب میں ہے "الرجلة" "القوة علی المشی" اسی میں ہے "رجل رجیل" "قوی علی المشی" نیز "رجلٌ صلبٌ" (لسان العرب ج ۱۱ باب لام ص۲۷۱)

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں "رجل" "راجلٌ ای قوی علی المشی" (مفردات راغب ص۱۸۹)

خلاصہ یہ کہ مرد کی بہ نسبت عورت کے جسمانی، روحانی، علمی اور عملی قُوٰی خلقۃً کمزور اور ناقص ہیں، اسی لیے مرد نبی ہوئے مگر کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ قرآن مجید میں ہے "ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم نے وحی کی۔

(سورۂ یوسف آیت ۱۰۹) (النحل آیت ۴۳) (الانبیاء آیت ۷)

انسانیت اور اسلام میں تساوی کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت احکامِ شرعیہ میں مساوی ہوں اور عورت کے فطری ضعف اور خلقی کمزوری کا مقتضیٰ عدمِ مساوات ہے شریعتِ اسلامیہ نے حکمت کے مطابق عدل و انصاف کے ساتھ دونوں تقاضوں

کو پورا کردیا. مثلاً عقائد و ایمانیات اور ارکانِ اسلام کے وجوب میں مساوات رکھی۔
ضروریاتِ دین کی تصدیق اور ایمان مرد و عورت دونوں پر یکساں واجب ہے۔ فی الجملہ
نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت میں بھی مرد و عورت دونوں مساوی ہیں۔ اور عدمِ
مساوات کے تقاضے کی تکمیل کے لیے بعض احکام میں عورت کو مرد کے مساوی نہیں
رکھا گیا. مثلاً نکاح میں عورتوں کا مہر مرد پر واجب ہے. عورت پر مرد کے لیے
مہر واجب نہیں. مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے. عورت کو صرف خلع کا حق حاصل
ہے۔ وہ مرد کو طلاق نہیں دے سکتی. مرد کے لیے چار عورتوں کو اپنے نکاح میں جمع
کرنا جائز ہے. عورت کے لیے ایک سے زیادہ مردوں سے بیک وقت نکاح کرنا
جائز نہیں. اسی طرح مرد عورتوں پر قوام ہیں. عورتیں مردوں پر قوامات نہیں. مردوں
پر عورتوں کا نفقہ واجب ہے. عورتوں پر مردوں کا نفقہ واجب نہیں. ارشاد خداوندی ہے
"مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے" (سورۃ النساء آیت ۱۱)۔ اِس فرمانِ الٰہی
کے خصوص میں بھی عورت پر مرد کو فضیلت حاصل ہے. یہاں پر عورت کا
حصہ مرد سے آدھا ہے کیونکہ اپنے اہل کی عفت و عصمت کی نصرت و حمایت اپنی
قوت کے ساتھ مرد ہی کر سکتا ہے. عورت اپنی خلقی کی اور فطری کمزوری کی وجہ سے
یہ فریضہ سر انجام نہیں دے سکتی. نیز یہ کہ مردوں پر مصارفِ کثیرہ کا بوجھ ہے.
جو عورتوں پر نہیں. اس لیے یہاں مرد کا حصہ دوگنا ہے. اس میں عورت
مرد کے مساوی نہیں. یہ سب مرد کے فضائل ہیں. اسی حقیقت کے پیش نظر
شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۱ ج ۲ میں فرمایا کہ قصاص میں
مرد و عورت کی برابری جنسِ انسانیت میں دونوں کے مساوی ہونے کا تقاضا ہے.

اور دیت میں مرد و عورت کا برابر نہ ہونا دیگر امور مذکورہ میں ان کے مساوی نہ ہونے اور مرد کے افضل ہونے کا مقتضیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی دیت کا مرد کے برابر نہ ہونا عورت کی خلقی کمی اور اس کے فطری ضعف پر مبنی ہے۔ اس سے چند سطور پہلے شاہ صاحب نے عورت کی دیت کا ذکر کرتے ہوئے عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے برابر قرار نہیں دیا، بلکہ عورتوں کی دیت کو آپس میں مماثل اور مساوی قرار دیا (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۲ ج ۲)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "وللرجال علیھن درجۃ" کے تحت یہی بات فرمائی کہ مرد کا عورت سے افضل ہونا امرِ معلوم ہے۔ اس کے باوجود اس مقام پر اس فضیلت کا ذکر فرمانا دو وجوہ پر مبنی ہے۔ پہلی وجہ میں عورت پر مرد کی فضیلت کے آٹھ امور بیان کرتے ہوئے فرمایا: "پہلا امر عقل ہے" جس میں مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے" اور دوسرا امر دیت ہے" جس میں مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے (تفسیر کبیر ص۲۰۱ ج ۲)

شاہ ولی اللہ اور بعض دیگر علماء کے کلام میں کل بالقیاسین سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ دلیل قیاسی ہے یا رائے کو اس میں دخل ہے۔ بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دلیلِ سمعی (کتاب و سنت) سے عورت کی نصف دیت کا ثابت ہونا خلافِ عقل نہیں بلکہ عقلِ سلیم، قیاسِ صحیح اور اصابتِ رائے کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اور تفسیر کبیر کے اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کے نزدیک حکمِ شرعی اور مرادِ الٰہی یہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے "اور جس

نے خطا کے طور پر کسی مومن کو قتل کیا تو ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے.
اور دیت ہے سپرد کی ہوئی اس (مقتول) کے اہل کی طرف (سورۃ نساء آیت ۹۲)
اس آیہ میں مومن کے قتلِ خطا میں کفارہ کے بعد وجوبِ دیت کا حکم مذکور ہے.
یہاں لفظ مومن عام ہے. اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں. دونوں اس
میں شامل ہیں.

اسی طرح وجوبِ دیت کا حکم بھی عام ہے. اس میں بھی کوئی تخصیص نہیں.
مومن مرد ہو یا عورت ہر ایک کے قتلِ خطا میں دیت واجب ہے. لیکن مقدارِ
دیت قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں. مقدار کے بارے میں لفظ دیت مجمل ہے.
تفسیر قرطبی میں ہے. ولم یعین اللہ فی کتابہ ما یعطی فی الدیۃ (قرطبی صفحہ ۳۱۵ ج ۲-۵) اسی آیت کے
تحت تفسیر مظہری میں ہے. وھی مجملۃ فی المقدار ومن یجب علیہ بینہ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم
(تفسیر مظہری صفحہ ۱۹۹ ج ۲) اسی طرح صفحہ ۱۹۲ پر ہے. لان الدیۃ لفظ مجمل ورد بیانہ من النبی
صلی اللہ علیہ والہ وسلم (مظہری) بدائع الصنائع میں ہے. انہ مجمل فی بیان القدر والوصف
فبین علیہ الصلوٰۃ والسلام قدر الدیۃ (بدائع الصنائع امام ابوبکر بن مسعود کاسانی صفحہ ۲۵۳ ج ۷،
السنۃ: للامام محمد بن نصر المروزی: صفحہ ۹۰).

قرآن کے مجمل کی تفسیر اگر قرآن میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی احادیث کی طرف
رجوع کیا جائے گا. کسی کو اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنے کا حق نہیں. حکم قرآنی ہے: "نماز قائم
رکھو اور زکوٰۃ دو." (بقرہ آیت ۴۳) یہ آیت وجوبِ صلوٰۃ و زکوٰۃ میں واضح ہے لیکن مقادیرِ زکوٰۃ اور نماز کی
کی تعداد، اسی طرح تعدادِ رکعات کے بارے میں یہ آیت مجمل ہے. اس اجمال کی تفصیل رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہی سے ہوتی ہے. کسی کی رائے کو اس میں دخل

نہیں۔ تفسیر بالرائے کرنے والا حدیث پاک کی روشنی میں ناری ہے

مقدارِ دیت کے اجمال کا بیان بھی سنت وحدیث ہی کی روشنی میں معلوم ہو سکتا ہے۔ کسی کو اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ واضح رہے کہ قتلِ عمد کی صورت میں صرف قصاص ہے۔ دیت نہیں۔ البتہ فریقین کو اختیار ہے کہ قصاص کے علاوہ مال کی کسی مقدار پر آپس میں صلح کر لیں۔ اس مال کو بدلِ صلح کہا جاتا ہے اور قتلِ خطا میں قصاص کا حکم نہیں صرف دیت ہے۔ اگر مرد ہو تو مقدارِ دیت سَو اونٹ ہے۔ اور عورت کے قتل میں اسکی دیت کی مقدار مرد کی دیت کا نصف ہے یعنی پچاس اونٹ چنانچہ مقدارِ دیت کے اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل احادیثِ نبویہ کی روشنی میں ہمارے سامنے موجود ہے قتلِ خطا میں مرد کی دیت کی مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ مقرر فرمائی۔

۱۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ شعیب سے، وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن عاص) سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بطورِ خطا قتل کر دیا جائے۔ اس کی دیت سَو اونٹ ہے۔

(نسائی صہ ۲۴۱ ج ۲۔ ابوداؤد صہ ۲۶۲ ج ۲)

۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتیلِ خطا شبہ عمد کی دیت، جو کوڑے یا لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو، سَو اونٹ ہے۔ (نسائی صہ ۲۱۲ ج ۲)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو بیشک قتیلِ خطا شبہ عمد کی دیت، جو کوڑے یا لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا گیا ہو، سو اونٹ ہے

(نسائی صہ ۲۱۴ ج ۲، بیہقی صہ ۴۳ ج ۸)

ان احادیث میں مرد کی دیت کی مقدار بیان فرمائی گئی ہے۔ عورت کی دیت کی مقدار ذیل کی احادیث میں مذکور ہے۔

۴۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے (سنن کبریٰ للبیہقی ص۹۵ ج ۸)

۵۔ نسائی شریف میں ہے عمرو بن شیب اپنے والد شیب سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن عاص) سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ تہائی کو پہنچ جائے۔ (نسائی شریف ص۲۱۴ ج ۲)

۶۔ حضرت عمرو بن شیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے یہاں تک کہ وہ تہائی کو پہنچ جائے اور یہ منقولہ میں ہے یعنی اُس زخم میں جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے الگ ہو جائے پھر جو منقولہ سے زائد ہو وہ مرد کی دیت کا نصف ہو گا۔ جو کچھ بھی ہو۔ (جراحۃ ہو یا جان) (مصنف عبد الرزاق ص۲۹۶ ج ۹، متوفی ۲۱۱ھ)

۷۔ حضرت عکرمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ سابق کی مثل روایت کی۔ (مصنف عبد الرزاق ص۲۹۶ ج ۹)

قرآن کریم میں لفظِ دیت کے اجمال کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں ہمارے سامنے آگئی کہ قتل خطا کی صورت میں مرد کی دیت کی مقدار سو اونٹ ہے اور عورت کے قتل خطا میں دیت کی مقدار مرد کی دیت کا نصف ہے یعنی پچاس اونٹ۔ آیت کریمہ کا اجمال دور ہو جانے کے بعد اس آیت قرآنیہ سے قتل خطا

میں مقدارِ دیت واضح ہوگئی اور آیتِ کریمہ کا یہ مفہوم متعین ہوگیا کہ مومن کے قتلِ خطا میں کفارہ واجب ہے اور مقتول کے اہل کو دیت ادا کرنا بھی یقیناً واجب ہے۔ دیت کے واجب ہونے میں مرد و عورت مساوی ہیں۔ مگر مقدارِ دیت میں مساوی نہیں۔ مرد کی دیت ۱۰۰ اونٹ ہے اور عورت کی دیت اس کا نصف ہے یعنی پچاس اونٹ۔ دیت اور اس کی مقدار عقل و قیاس سے بالاتر اور محض بیانِ شارع پر موقوف ہے۔ کسی کی رائے کو اس میں دخل نہیں۔ اس لیے اس باب میں موقوف حدیثیں بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہیں۔ چند احادیثِ موقوفہ درج ذیل ہیں۔

۸۔ امام عبدالرزاق نے معمر سے اس نے ابن ابی نجیح سے اس نے مجاہد سے اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ پانچ اونٹ تک مرد و عورت برابر ہیں۔ مجاہد نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت ہر چیز میں نصف ہے۔ یعنی اس کے زخم اور جان دونوں کی دیت نصف ہے (مصنف عبدالرزاق صـ۲۹۷ ج ۹)

اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ لیکن مجاہد نے عبداللہ بن مسعود سے نہیں سُنا (مجمع الزوائد صـ۲۹۹ ج ۶)

۹۔ ابراہیم (نخعی) حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں دونوں نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ جان میں اور اس کے ماسوا میں (السنن الکبریٰ صـ۹۶ ج ۸)

۱۰۔ شعبی حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا مردوں اور عورتوں کے زخم تہائی تک برابر ہیں، جو زیادہ ہو وہ نصف پر ہے اور عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ نے فرمایا دانت اور موضحہ (جس زخم میں ہڈی ظاہر ہو جائے) کے سوا، کیونکہ ان کی دیت برابر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول شعبی کو زیادہ پسند تھا۔

(بیہقی صـ۹۶ ج ۸)

بیہقی نے کہا اس حدیث کو ابراہیم نخعی نے زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، وہ سند منقطع ہے اور شقیق نے بھی یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ سند موصول ہے (بیہقی صـ۹۶ ج ۸)

۱۱۔ ابن شہاب اور مکحول اور عطاء سے روایت ہے تینوں نے کہا ہم نے لوگوں کو اس بات پر پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آزاد مسلمان مرد کی دیت سو اونٹ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے اور مسلمان آزاد عورت کی دیت جب کہ وہ شہری آبادیوں سے ہو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر فرمائے اگر شہری عورت کا قاتل دیہاتی ہو تو اس کی دیت پچاس اونٹ ہے اسی طرح دیہاتی عورت کو اگر کوئی دیہاتی قتل کرے تو اس کی دیت بھی پچاس اونٹ ہے۔ دیہاتی کو سونے چاندی کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

(السنن الکبریٰ صـ۹۵ ج ۸)

۱۲۔ امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں ہم سے اسحاق نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے وہ محمد بن عمرو بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیات کے بارے میں ایک حکم نامہ لکھا جس میں انہوں نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ مسلمان مرد کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں سو اونٹ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کی قیمت لگا کر

شہریوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے اور مسلمان آزاد عورت کی دیت عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پچاس اونٹ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قیمت لگا کر پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر فرمائے۔

(کتاب "السنۃ" صـ۹۲ طبع ریاض، موّلفہ امام محمد بن نصر مروزی)

۱۳۔ ابن ابی نجیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی آدمی نے مکہ مکرمہ میں ایک عورت کو پامال کر کے ہلاک کر دیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے قتل میں آٹھ ہزار درہم ادا کیے جائیں۔ چھ ہزار عورت کی پوری دیت اور دو ہزار اس کا تہائی حصہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اس زائد تہائی حصے کا حکم بطورِ تغلیظ تھا کہ حرم مکہ میں اس نے قتل کیا (السنن الکبریٰ صـ۹۵ ج ۸)

۱۴۔ امام عبد الرزاق صاحب مصنف معمر سے روایت کرتے ہیں۔ معمر نے زہری سے روایت کی امام زہری نے فرمایا کہ مرد و عورت کی دیت برابر ہے۔ یہاں تک کہ دیت کے تیسرے حصے تک پہنچ جائے اور یہ جائفہ میں ہے یعنی اس زخم میں جو پیٹ کی گہرائی تک پہنچ جائے۔ پھر تہائی حصے تک پہنچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے (مصنف عبد الرزاق صـ۳۹۴ ج ۹)

۱۵۔ امام عبد الرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے عروہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ فرماتے تھے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے یہاں تک کہ تہائی کو پہنچ جائے پھر تہائی تک پہنچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(مصنف عبد الرزاق صـ۳۹۴ ج ۹)

۱۶۔ حضرت شریح سے روایت ہے کہ ہشام ابن ھبیرہ نے خط میں ان سے سوال کیا۔ حضرت شریح نے انہیں جواب میں لکھا کہ ہر چھوٹے اور بڑے موجب دیت زخم میں عورت کی دیت مرد سے آدھی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عورت کے قتل خطا میں عورت کی دیت کو مرد کی دیت کا نصف کہتے تھے سوائے دانت اور موضحہ کے۔ کہ ان دونوں میں مرد و عورت برابر ہیں اور زید بن ثابت کہتے تھے کہ خطا کی صورت میں عورت (کے زخموں) کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے یہاں تک کہ وہ ثلث کو پہنچے۔ تہائی سے زائد ہو جائے تو مرد کی دیت کا نصف ہے (مصنف ابن ابی شیبہ صہ ۱۰ ج ۱۰۰)

۱۷۔ امام مالک ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں اور عروہ بن زبیر سے بھی انہیں روایت پہنچی کہ زہری اور عروہ بن زبیر دونوں کا قول عورت کے بارے میں سعید بن مسیب کے قول کی مثل ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے تہائی حصے تک مرد کے برابر ہوگی مرد کی دیت کے تہائی حصہ تک پہنچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی (موطا امام مالک صہ ۶۹۰)

۱۸۔ حضرت شریح سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر کے پاس سے عروہ بارقی یہ حکم میرے پاس لے کر آئے کہ مردوں اور عورتوں کے زخم دانت اور موضحہ میں برابر ہیں۔ اس سے زیادہ میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ مخطوطہ صہ ۲۰ ج ۱۰۰)

۱۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں ہمیں امام ابو حنیفہ نے خبر دی وہ حماد سے روایت کرتے ہیں۔ حماد ابراہیم سے۔ ابراہیم نخعی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ جان میں ہو یا اس کے ماسوا جراحات میں (کتاب الحجہ صـ۲۷۷ ج ۴)

۲۰۔ ابراہیم (نخعی) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ جان میں اور اس کے علاوہ (جراحات) میں (السنن الکبریٰ للبیہقی صـ۹۶ ج ۸)

ازالہ شبہات

پوری قوت سے کہا جا رہا ہے کہ بیہقی نے "وفیہ ضعف" کہہ کر حدیث معاذ بن جبل کے ضعیف ہونیکا فیصلہ کر دیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا۔ بلکہ اس کی دوسری سند کو ضعیف کہا ہے۔ جیسا کہ وہ متصلاً فرما رہے ہیں "بطریق عبادہ بن نسی یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اور اس میں ضعف ہے"۔ دوسری سند کا ضعف بھی مضر نہیں بلکہ تعدد طرق موجب تقویت حدیث ہے۔ ابن ترکمانی نے بھی اس کے تحت لکھا ہے: "میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ بیہقی کا قول "وفیہ ضعف" وجہ اخیر (دوسری سند) کے بارے میں ہے"

یہاں یہ شبہ وارد کرنا بھی صحیح نہیں کہ اگلے باب "دیت جراح المرأۃ" میں جہاں عورت کے زخموں کی دیت سے متعلق حدیثیں وارد ہیں، امام بیہقی کا یہ قول منقول ہے وروی عن معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باسناد لا یثبت مثلہ یعنی غیر ثابت سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معاذ بن جبل سے مروی ہے۔

اس لیے کہ اس قول میں سیاق و سباق کے پیش نظر ہماری منقولہ حدیث

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد نہیں ہو سکتی. اگر ایسا ہوتا تو امام بیہقی باب سابق میں حدیث کی دوسری سند کو ضعیف کہنے کی بجائے اسی مقام پہ باسناد لا یثبت مثلہ فرما دیتے. مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا. معلوم ہوا کہ امام بیہقی دوسرے باب میں معاذ بن جبل کی جس روایت کے متعلق " باسناد لا یثبت مثلہ " فرما رہے ہیں. وہ معاذ بن جبل کی کوئی ایسی ہی روایت ہو سکتی ہے جو زخموں کی دیت کے بیان میں احادیث باب کے ہم معنی ہو اور وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث مرفوع ہے جو ایک سند ضعیف کے ساتھ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ دیت جراحات و اعضاء کے متعلق اسی کتاب الدیات میں اس سے قبل تین جگہ وارد کر چکے ہیں اور اس کے متعلق " و فیہ ضعف " کی تصریح بھی انہوں نے فرما دی ہے.

دیکھئے امام بیہقی فرماتے ہیں.

۱. ابو یحییٰ ساجی نے بطریق عبادہ بن نسی، ابن غنم، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا: " وفی السمع مأۃ من الابل " (اور سماعت میں سو اونٹ دیت ہے) (السنن الکبریٰ للبیہقی صہ ۸۵ ج ۸)

۲. ابو یحییٰ ساجی کی ان مرویات میں جو اپنی سند کے ساتھ انہوں نے معاذ بن جبل سے مرفوعاً روایت کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے " وفی العقل مأۃ من الابل " (عقل میں سو اونٹ دیت ہے) (بیہقی سنن صہ ۸۵)

۳. اور معاذ بن جبل کی مرفوع حدیث میں مروی ہے " وفی الاسنان کلہا مأۃ من الابل وفی اسنادہ ضعف " (سب دانتوں میں سو اونٹ دیت ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے (سنن بیہقی صہ ۹۰ ج ۸)

الحمد للہ ثابت ہوگیا کہ " باسناد لا یثبت مثلہ " سے مراد یہی ضعیف حدیث ہے نہ کہ ہماری پیش کردہ حدیث۔

تینوں جگہ " واو عاطفہ " معطوف علیہ کو چاہتا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ امام بیہقی نے ہر جگہ اختصار کیا ہے اور پورا متن حدیث کسی ایک جگہ وارد نہیں کیا

متن حدیث کا جو حصہ یہاں مذکور نہیں ممکن ہے کہ اس میں " دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل " کا جملہ بھی شامل ہو۔ اس تقدیر پر امام بیہقی کا قول " وروی ذلک من وجہ آخر عن عبادۃ بن نسی وفیہ ضعف " بھی اسی غیر ثابت اور ضعیف سند کی طرف راجع ہوگا۔ بہر صورت سند ضعیف اور غیر ثابت کا مصداق بے غبار ہو کر سامنے آگیا اور ہماری پیش کردہ حدیث معاذ بن جبل کے ضعف کا وہم ہباءً منثوراً ہوگیا۔

ابن ترکمانی کا اس مقام پر یہ کہنا کہ " اور اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کی دونوں سندوں کو شامل ہے " خود ان کے قول اول کے معارض ہے جو اس سے پہلے متن میں مذکور ہے " اور قبل ازیں ہم اسے نقل بھی کر چکے ہیں لہٰذا اس قول سے " حدیث معاذ بن جبل " رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر ثابت ہونا ثابت نہیں ہوتا

رہا ابن حجر کا یہ کہنا کہ " عمرو بن حزم " رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث طویل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک " عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے " نہیں ہے۔ یہ جملہ صرف بیہقی نے معاذ بن جبل کی حدیث سے روایت کیا اور کہا " یہ اسناد غیر ثابت ہے " اگر اس قول کو ہماری پیش کردہ حدیث کے بارے میں تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے اس بیان کی روشنی میں " یہ بیہقی کے قول کی ایسی توجیہ ہوگی جس سے وہ

خود بھی راضی نہیں۔

بیہقی نے یہ کب کہا کہ روایت معاذ بن جبل "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے" کسی ایک سند صحیح سے بھی ثابت نہیں۔ اگر ہم یہ تسلیم ہی کرلیں کہ ہماری ہی پیش کردہ حدیث کے بارے میں ابن حجر کا یہ قول ہے۔ تو ان کی یہ لغزش ایسی ہی ہوگی جیسی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لغزش سرزد ہوئی جس کا اعتراف ابن حجر نے "ولا بد للجواد من کبوۃ" کے الفاظ میں کیا ہے۔

(مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۰۱ ج ۲۔)

عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث طویل کے بارے میں انشاء اللہ ہم مفصل کلام کریں گے۔

مزید برآں اس امر پر اصرار شدید ہے کہ حدیث معاذ بن جبل کے تین راوی (حفص بن عبداللہ، ابراہیم بن طہمان، اور بکر بن خنیس) مطعون ہیں۔ اور اس کی سند منقطع ہے (رملی ایڈیشن نوائے وقت ۲۰ اگست ۱۹۸۴ء)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ملاحظہ ہو۔

۱۔ حفص بن عبداللہ کے بارے میں نسائی نے کہا "اس میں کوئی مضائقہ نہیں"۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ یہ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ کے راوی ہیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۴۰۲ ج ۲۔)

۲۔ ابراہیم بن طہمان کے متعلق ابن مبارک نے کہا "صحیح الحدیث ہے"۔ امام احمد ابوحاتم اور ابوداؤد نے کہا "ثقہ" ہے۔ ابوحاتم نے اتنی بات اور زیادہ کہی کہ "وہ

نہایت سچا ہے۔ حسن الحدیث ہے"۔ ابن معین اور عجلی نے کہا "اس میں کوئی مضائقہ نہیں" عثمان بن سعید دارمی نے کہا "یہ حدیث میں ثقہ تھا۔ ائمہ حدیث اسکی حدیث کے ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے اور اس میں رغبت رکھتے تھے اور اس کی توثیق کرتے تھے"۔ صالح بن محمد نے کہا "ثقہ ہے۔ حسن الحدیث ہے۔ کچھ ارجاء فی الایمان کی طرف مائل تھا۔ اللہ تعالٰے نے لوگوں کے دلوں میں اس کی حدیث کی محبت پیدا کردی۔ نہایت کھری اور عمدہ روایت والا ہے"۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا "وہ صحیح الحدیث تھا حسن الروایۃ۔ کثیر السماع تھا۔ خراسان میں اس سے زیادہ حدیث روایت کرنے والا دوسرا کوئی نہ تھا۔ اور ثقہ ہے"۔ ابراہیم بن طہمان صحاح ستہ کا راوی ہے۔

(تہذیب التہذیب صـ۱۲۹ ج ۱۰)

تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے ابراہیم بن طہمان کے ترجمہ میں فرمایا "میں کہتا ہوں اس کے بارے میں حق یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ صحیح الحدیث ہے۔ جب ثقہ اس سے روایت کرے۔ ارجاء میں اس کا غلو ثابت نہیں نہ وہ اس کی طرف داعی تھا۔ بلکہ حاکم نے ذکر کیا کہ اس نے ارجاء سے رجوع کر لیا تھا۔ واللہ اعلم"

(تہذیب التہذیب صـ۱۳۱ ج ۱۰)

اس حدیث میں اس سے روایت کرنے والا حفص بن عبداللہ ہے۔ جس کی توثیق ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

۲۔ ابن عمار موصلی نے کہا "بحر بن خنیس متروک نہیں"۔ ابن عدی نے کہا "وہ ان میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ اور عجلی نے کہا "وہ کوفی ہے ثقہ ہے۔ یہ ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے (تہذیب التہذیب صـ۴۸۲ ج ۱۰)

اگر کسی راوی کے حق میں ضعف کا قول یا کوئی جرح مذکور ہے تو وہ جرح مبہم ہے، جس کا محدثین کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، بالخصوص جس کی تعدیل و توثیق ائمہ حدیث سے منقول ہو۔ اس کے حق میں جرح مبہم قطعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایسی جرح تو تضعیف تو صحیحین کے راویوں کے حق میں بھی کی گئی ہے۔ کیا بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی ضعیف ہیں؟

یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاذ بن جبل کی یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود نہیں میں عرض کروں گا کہ صحیح حدیث کی یہ تعریف کس نے کی ہے کہ وہ صحاح ستہ میں ہو۔ پھر یہ کہ حدیث کی اصل تو اس کے راوی ہیں اور حدیث معاذ بن جبل کے راوی صحاح ستہ کی ہر کتاب میں موجود ہیں بعض صحیحین میں اور بعض بقیہ صحاح ستہ میں۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اس مقام پر یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ معاذ بن جبل کی نصف دیت والی حدیث کو بیہقی سے پہلے کسی نے اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔

میں عرض کروں گا کہ حدیث معاذ بن جبل نہ سہی عورت کی نصف دیت میں دیگر احادیث مرفوعہ اور بکثرت احادیث موقوفہ تو پہلے محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہیں۔ جو سب صحیح و ثابت ہیں جیسا کہ ہم ابھی نقل کر چکے ہیں اور عنقریب تفصیلی کلام کریں گے۔

رہی یہ بات کہ ساڑھے چار سو برس کے بعد بیہقی نے پہلی مرتبہ یہ حدیث اپنی کتاب میں درج کی تو یہ بالکل ایسی بات ہے۔ جیسے آریہ اور عیسائی کہا کرتے ہیں کہ تمہارا قرآن بھی نبی کی وفات کے سالہا سال بعد حضرت عثمان کی خلافت میں جمع کیا گیا۔ اور تمہارے رسول کی حدیثیں دو سو برس کے بعد جمع ہوئیں منکرین حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ دو سو برس کے بعد لوگوں نے اپنی کتابوں میں حدیثیں لکھ دیں۔ ایسی حدیثوں کا کیا اعتبار؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بکثرت وہ احادیث جو امام بخاری

سے پہلے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں درج کی تھیں۔ امام بخاری نے انہیں اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا۔ اور بعض ایسی حدیثیں صحیح بخاری میں شامل کردیں جو ان سے پہلے محدثین کی کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کے لیے ایسی باتیں کہی جاتی ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا بھی تعلق نہیں انقطاع سند کا دعویٰ بھی بلا سند ہے شاید عنعنہ کی وجہ سے یہ وہم پیدا ہوا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس عنعنہ میں کسی راوی کے حق میں موجب جرح تدلیس ثابت نہیں اور کتب اسماء الرجال کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان سب راویوں کی لقاء یا امکان لقاء اپنے مروی عنہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا انقطاع کا وہم بے بنیاد ہے۔ اگر کسی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے تو یہ ہمیں مضر نہیں۔ کتب علوم حدیث کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ بعض صحیح حدیثوں کو ضعیف کہا گیا۔ دیکھئے دارقطنی وغیرہ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی دو سو دس[۲۱۰] حدیثوں پر اعتراضات کیے۔ لیکن چند احادیث کے سوا وہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔

(مقدمہ فتح الباری صلا ج ۲۔ تدریب الراوی صلا۔ حاشیہ شرح نخبہ للقاری صد۶۵ طبع استنبول)

پھر یہ کہ تلقی بالقبول کے بعد حدیث کا ضعف باقی نہیں رہتا بلکہ وہ واجب العمل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔

ازالۂ شبہات کے بعد حدیث معاذ بن جبل کا صحیح، ثابت اور واجب العمل ہونا بے غبار ہو گیا۔ اس کے بعد حق پسندی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے۔ احادیث موقوفہ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قوی تائید کرتی ہیں۔ ان میں جو مرسل ہیں وہ بھی ثابت اور صحیح کے حکم میں ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم مفصل بیان کریں گے۔ الحمد للہ اب واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ " دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ " میں لفظ دیۃ جو مقدار میں مجمل تھا احادیث

منقولہ بالا سے اس کی تفسیر ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ دیۃ رجل کی مقدار سو اونٹ ہے اور عورت کی دیت کی مقدار اس کا نصف یعنی پچاس اونٹ۔

قرآن کے مجمل کی تفسیر سے جو حکم ثابت ہوگا وہ قرآن ہی کا حکم قرار پائے گا معلوم ہوا عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا حکم قرآنی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کتاب عمرو بن حزم کی طویل حدیث میں غیر مسلم کی نصف دیت کا ذکر ہے۔ اگر عورت کی دیت نصف ہوتی تو اس کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ ثابت ہوا کہ عورت کی دیت نصف نہیں۔ بلکہ وہی پوری دیت ہے جس کا ذکر دیۃ النفس مائۃ ابل کے ضمن میں اس حدیث میں وارد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے طویل حصے میں مرد ہی کی دیات مذکور ہیں۔ غیر مسلم کی نصف دیت کا ذکر بھی اسی لیے وارد ہے کہ وہ مرد ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے طویل حصے میں مرد کے خاص اعضاء کی دیات مذکور ہیں۔ عورت کے کسی عضو خاص کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر اس حدیث کے احکام دیات مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہوتے تو جس طرح مرد کے خاص اعضاء کی دیت کے احکام مذکور ہوئے۔ عورت کے بھی کسی خاص عضو کی دیت کا حکم مذکور ہوتا مگر ایسا نہیں۔ معلوم ہوا کہ قائلین مساوات نے حدیث کے جس طویل حصہ کو پیش نظر رکھا ہے اس کا تعلق صرف مرد سے ہے عورت سے نہیں۔ عورت کی دیت کا ذکر حدیث کے آخر میں: دیۃ المراۃ نصف دیۃ الرجل۔ کے الفاظ میں مذکور ہے۔ جس پر حدیث عمرو بن حزم کے ضمن میں مفصل کلام آرہا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کیسا غلط ہے کہ مرد کے ایک عضو خاص کی دیت سو اونٹ ہوں اور پوری عورت

کی دیت پچاس اونٹ، گویا عورت کی قدر و منزلت مرد کے ایک عضوِ حقیر کے برابر بھی نہیں عورت کا کیا قصور ہے یہی کہ اس نے مرد کو جنا اور وہ اس کی ماں ہے اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

میں جواباً عرض کروں گا کہ عورت کی دیت سو اونٹ تسلیم کرنے والے عمرو بن حزم کی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں مرد کے اس عضوِ حقیر کی دیت سو اونٹ مذکور ہے۔ اس صورت میں بقول ان کے صرف یہی ظلم نہ ہوگا کہ جس عورت نے مرد کو جنا جس کے قدموں کے نیچے اس کی جنت ہے اس کا مرتبہ مرد کے عضوِ حقیر کے برابر کر دیا جائے بلکہ لازم آئے گا کہ پورا مرد بھی اپنے عضوِ حقیر کے مساوی ہو جائے۔ کیا کسی انسان کو اس خاص عضوِ حقیر کے مساوی قرار دینا انسان کی تحقیر و تذلیل اور اس پر ظلم نہیں۔ اگر یہ ظلم نہیں تو سمجھ لیجیے کہ پہلی بات بھی ظلم نہیں بلکہ اسے ظلم سمجھنا ہی ظلم ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ظلم کہنا ظلم عظیم ہے۔ عورت کی دیت کا نصف ہونا اگر ظلم ہے تو میراث میں اس کے حصہ کا مرد کے حصے سے نصف ہونا بھی ظلم ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے "وللذکر مثل حظ الانثیین" فرما کر عورت کا حصہ مرد کے حصے سے نصف مقرر فرمایا ہے۔ یہاں بھی آپ کہہ دیجیے کہ عورت کا کیا قصور ہے صرف یہی کہ وہ مرد کی ماں ہے اور اس کے پاؤں تلے اس کی جنت ہے۔

افسوس! احکامِ الٰہیہ کی حکمتوں کو نظر انداز کر کے اسلامی احکام کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کے لیے ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں۔

کتاب عمرو بن حزم کی حیثیت کلام

حدیث عمرو بن حزم سند کے لحاظ سے صحیح نہیں۔ اس کے ناقلین نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا

امام نسائی نے اس کا حسب ذیل عنوان قائم کیا۔ ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول واختلاف الناقلین لہ، امام نسائی نے اس کے ناقلین ورواۃ کا ایک دوسرے پر اختلاف بھی نقل کیا اور الفاظ متن میں بھی ایک دوسرے کا اختلاف بیان کیا۔ دیکھیے سنن نسائی جلد دوم صہ ۲۱۸۔

علاوہ ازیں اس کے بعض رواۃ ضعیف اور مجروح ہیں ان کے آخر سند میں ہونے کی وجہ سے سب اسانید ضعیف قرار پاتی ہیں۔ غالباً اسی لیے ابن حزم نے اس کی صحت کا انکار کیا دیکھیے المحلی صہ ۴۵ ج ۱۰۔ البتہ تلقی بالقبول کے باعث فی الجملہ متن حدیث کی شہرت اشبہ بالتواتر ہو گئی۔ اور اسی تلقی بالقبول کی بنا پر اسے صحیح کہا گیا۔

اس مکتوب میں "دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل" کا جملہ بھی یقیناً موجود ہے جیسے امام موفق الدین ابن قدامہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف المغنی اور امام ابو القاسم الرافعی اپنی تصنیف شہیر شرح الوجیز ان کے علاوہ علامہ منصور بن یونس البہوتی متوفی سنہ ۱۰۵۱ھ اپنی تصنیف جلیل شرح منتہی الارادات صہ ۳۰۸ ج ۲ میں تینوں عمرو بن حزم کی کتاب کے حوالے سے اس جملہ کو نقل کر رہے ہیں۔ علامہ البہوتی نے ایک دوسری تصنیف "الروض المربع" صہ ۳۳۹ میں بھی بحوالہ کتاب عمرو بن حزم اس جملہ "دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل" کو نقل فرمایا حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب مذکور میں اس جملہ کے موجود ہونے پر یہ امر بھی شاہد عادل ہے کہ امام حاکم نے مستدرک میں اسی کتاب عمرو بن حزم کی روایت کے ضمن میں فرمایا۔ ھذا حدیث کبیر مفسر فی ھذا الباب یشھد لہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ مستدرک صہ ۳۹۷ ج ۱۔ یہ حدیث کبیر ہے جو اس باب میں مفسر ہے اس کے لیے امیر المومنین عمر بن عبد العزیز شہادت دیتے ہیں۔

یہی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز جو حدیث عمرو بن حزم کے شاہد ہیں۔ خلیفہ عادل ہیں۔

خلفاء راشدین میں انہیں شامل کیا گیا ہے۔ اپنے عہد خلافت میں ایک حکم نامہ جاری فرماتے ہیں جسے امام محمد بن نصر مروزی متوفی ۲۹۴ھ کی کتاب "السنة" کی حسب ذیل روایت میں ملاحظہ فرمائیے: ہم سے حدیث بیان کی محمد بن یحییٰ نے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے وہ محمد بن عمرو بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا حضرت عمر بن عبد العزیز نے دیات کے بارے میں ایک حکم نامہ لکھا اس حکم نامہ میں یہ ذکر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دیت سو اونٹ تھی پھر حضرت عمر بن خطاب نے ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے اور مسلمان آزاد عورت کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پچاس اونٹ تھی حضرت عمر بن خطاب نے ان کی قیمت لگا کر شہریوں پر پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر فرمائے۔ انتہیٰ

تعجب ہے جن لوگوں نے حضرت عمرو بن حزم کی کتاب دیکھی تک نہیں صرف اسکے مختلف حصوں کی کچھ روایات ان کے پیش نظر ہیں۔ وہ تو عورت کی نصف دیۃ کو کتاب عمرو بن حزم کے خلاف کہہ رہے ہیں اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز جو بنفس نفیس اس خط کے شاہد ہیں اپنے حکمنامہ میں عہد رسالت میں سو اونٹ کی دیۃ کا ذکر فرما کر صاف لفظوں میں تحریر فرما رہے ہیں کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پچاس اونٹ تھی۔

عورت کی نصف دیت اگر کتاب عمرو بن حزم کے خلاف ہوتی تو حضرت عمر بن عبد العزیز کس طرح اپنے حکمنامے میں لکھوا سکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں عورت کی دیت پچاس اونٹ تھی۔ ثابت ہوا کہ عورت کی نصف دیۃ کا ذکر عمرو بن حزم کی اس کتاب میں موجود تھا جو رسول اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی تھی۔ کسی محدث کا اس جملے کو

اپنی کتاب میں درج نہ کرنا اس بنا پر نہیں کہ یہ عمرو بن حزم کی حدیث کا جزو نہیں. بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طویل حدیث کے متعدد حصے مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہوگئے ہر سند میں حدیث کا کوئی نہ کوئی حصہ رہ گیا. کتب احادیث کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے. مصنف عبدالرزاق، موطا امام مالک، سنن نسائی وغیرہ سب میں اس حدیث کی روایات اسی نوعیت سے پائی جاتی ہیں. اگر فی الواقع یہ جملہ کتاب عمرو بن حزم میں نہ ہوتا تو سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عورت کی دیۃ میں سو اونٹ کی بجائے ہرگز پچاس اونٹ کی قیمت نہ لگاتے. نہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورت کی دیۃ کے پچاس اونٹ ہونے کا ذکر فرماتے. نہ موفق ابن قدامہ اس کو درج کرتے. نہ رافعی کبیر اس کو اپنی تصنیف میں درج فرماتے نہ علامہ منصور بن یونس البہوتی اپنی کتابوں میں بحوالہ کتاب عمرو بن حزم اسے وارد کرتے. اگر کسی کا یہ گمان ہے کہ ان ائمۃ کرام اور علماء اعلام نے جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ہی نہیں بلکہ سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی شامل ہیں. عورت کی نصف دیۃ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے خط اور عہد رسالت کی طرف خلاف واقع اپنی طرف سے منسوب کر دیا تو گیا وہ کہہ سکے گا کہ معاذاللہ یہ سب حضرات "من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار" کے مصداق ہو کر ناری ہیں. نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ.

علامہ ابن حجر کا تلخیص حبیر میں یہ کہنا کہ جملہ "دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل" عمرو بن حزم کی کتاب میں ثابت نہیں. قلت تدبر پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تلخیص حبیر علامہ ابن حجر کی انہیں تصانیف میں شامل ہے جن پر انہوں نے نظرثانی نہیں فرمائی

بقول ان کے اُنکی ایسی کتابوں کا عدد کثیر ہے۔ لیکن ان کے مندرجات کمزور اور ناقابل اعتماد ہیں جیسا کہ علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں ابن حجر کا یہ مقولہ نقل کیا ہے اور "مقدمہ فتح الباری" کے سرورق پر بھی ان کا یہ مقولہ درج ہے۔ کاش علامہ ابن حجر کو نظر ثانی کا موقع ملتا۔ تو وہ غور و فکر کے بعد ضرور اپنے اس قول سے رجوع فرما لیتے۔

"السنۃ" سے ہماری منقولہ حدیث میں تین باتیں بالصراحۃ مذکور ہیں۔

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اپنے حکمنامے میں عورت کی نصف دیت لکھوانا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرد کی دیت میں سو اونٹ اور عورت کی دیت میں پچاس اونٹ کے حساب سے قیمت لگانا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مرد کی دیت کا سو اونٹ اور عورت کی دیت کا پچاس اونٹ ہونا۔

یہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے ایسی قوی صحیح اور ثابت ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۔ اس کے پہلے راوی امام محمد بن نصر مروزی (مولود ۲۰۲ھ، متوفی ۲۹۴ھ) ہیں جن کے متعلق حاکم کا قول ہے کہ وُہ اپنے زمانے میں بلا اختلاف عُلماء حدیث کے امام ہیں۔ صاحب محلّٰی ابو محمد ابن حزم ظاہری نے اُن کی تعریف کرتے ہوئے کہا: صحابہ کے بعد علم حدیث میں محمد بن نصر مروزی جیسا اتم جامع علم میں کوئی نہیں۔ تقریب التہذیب ص ۲۳۵ میں ہے: محمد بن نصر مروزی ثقہ ہیں حافظ ہیں امام ہیں اور علم کا پہاڑ ہیں۔

۲۔ دوسرے راوی اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں ثقہ ہیں حجۃ ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۱۸۲، ۱۹۲، ج ۱)

۳۔ تیسرے راوی ابو اسامہ حماد بن اسامہ بن زید متوفی سنہ ۲۰۱ھ ثقہ ہیں۔ اثبت ہیں اور نہایت

پکے ہیں۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہیں کثیر الحدیث ہیں۔ (میزان صـ۲۱۲ ج ۲)

۴۔ چوتھے راوی محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص اللیثی متوفی ۱۴۵ھ (تہذیب التہذیب) النسائی نے کہا ان میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ یہ ثقہ ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا ثقہ ہیں۔ علی بن المدینی ابو حاتم الرازی، سب نے ان کی توثیق کی۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا۔ مالک نے ان سے موطا میں روایت کی (میزان الاعتدال صـ۲۹ ج ۱۔)

تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب میں بھی ان رواۃ کی تعدیل و توثیق منقول ہے۔

ہماری اس تحقیق کے بعد حدیث عمرو بن حزم سے متعلقہ شکوک و شبہات کا پورا طرح استیصال ہوگیا اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہوکر سامنے آگئی کہ عہد رسالت سے لے کر عہد تابعین و اتباعِ تابعین زمانہ خیر القرون تک عورت کی نصف دیت میں کسی کا اختلاف نہیں پایا گیا۔ اسی کو اجماع کہتے ہیں

"دِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ" کا ترجمہ "دِيَةٌ مَعْرُوفَةٌ" بھی کیا جا رہا ہے محض اس لیے کہ اس ترجمہ کرنے والوں کے خیال میں دستور یہی تھا کہ مرد ہو یا عورت مقدار دیت سب کے لیے ایک ہی تھی لیکن اس کے برخلاف ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عہد رسالت میں یہ دستور نہ تھا بلکہ دستور یہ تھا کہ عورت کی دیۃ مرد کی دیت سے آدھی تھی۔ رہا دورِ جاہلیت تو اس میں بھی مقدار دیۃ میں یہی دستور تھا کہ عورت کی دیۃ مرد کی دیت کا نصف تھی۔ دیکھئے المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام صـ۵۱۳ ج ۵۔ جس میں جاہلیت کا دستور صراحتاً مذکور ہے "وتکون دیۃ المراۃ نصف دیۃ الرجل" کہ عورت کی دیۃ مرد کی دیۃ کا نصف ہوتی تھی۔ انتھیٰ۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی قبیلہ نے مرد کی دیۃ دس اونٹ مقرر کی تو اس کے دستور میں عورت کی دیۃ پانچ اونٹ تھی۔ کسی نے مرد کی دیۃ کے سو اونٹ مقرر کیے تو اس کے مطابق عورت کی دیۃ پچاس

اونٹ تھی (علیٰ ہذا القیاس)

بہر صورت مقدار دیت میں عہد جاہلیت کا دستور یہی تھا کہ عورت کی دیۃ مرد کی دیۃ کا نصف تھی۔

مختصر یہ کہ لفظ "مُسَلَّمَۃٌ" کے ترجمہ میں تحریف کے باوجود بھی قائلین مساوات کا دعویٰ ثابت نہ ہوا۔

حدیث المسلمون تتکافؤ دماؤھم کا صحیح مفہوم

عورت کی مقدار دیۃ کو مرد کی دیۃ کے برابر ثابت کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مرفوع کو بڑے شد و مد سے پیش کیا جا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمانوں کے خون برابر ہیں" بیشک سب مسلمانوں کے خون، مرد ہوں یا عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہیں لیکن مرد و عورت کی دیت کا مقدار میں برابر ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا نہ اس مقصد کے لیے حضور نے یہ حدیث فرمائی۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں معزز اور طاقتور قبیلے کے کسی آدمی کو کمزور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو وہ اپنے ایک مقتول کے بدلے میں کمزور قبیلے کے کئی آدمیوں کو قصاص میں قتل کرتا تھا۔ اپنے قبیلے کی مقتولہ عورت کے بدلے میں خواہ اس کی قاتلہ دوسرے کمزور قبیلے کی عورت ہی کیوں نہ ہو کمزور قاتلہ کے قبیلے کے مرد کو قتل کر دیتا تھا۔ اپنے غلام کے بدلے میں کمزور قبیلے کے آزاد کو قتل کرتا تھا۔ بعض قبیلوں نے اپنے مقتولین کی دیۃ اپنی طرف سے مقرر کر دی تھی، بایں طور کہ وہ اپنے ایک مقتول کے بدلے میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت دو دیتیں بلکہ بعض اوقات دو سے بھی زیادہ دیات قاتل کے قبیلے سے وصول کرتے

تھے۔ طاقتور قبیلہ اپنے مقتول کے بدلے میں کمزور قبیلے سے قصاص ہی لیتا۔ لیکن اگر اس طاقتور قبیلے کا کوئی شخص کمزور قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو قصاص کی بجائے صرف ساٹھ وسق کھجوریں بطور دیۃ ادا دینے پر اکتفا کرتا (المفصل صہ ۵۹۳ ج ۵)

اسی حدیث کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوۃ میں امام بغوی کی شرح السنۃ سے اس حدیث کے معنی اس طرح نقل کیے۔ امام بغوی نے فرمایا کہ اس حدیث (تتکافؤ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ سب مسلمانوں کے خون قصاص میں برابر ہیں۔ مسلمانوں میں سے رذیل کے بدلے شریف اور صغیر کے بدلے کبیر اور جاہل کے بدلے عالم مرد کے بدلے عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ اگرچہ مقتول شریف یا عالم ہو اور قاتل رذیل یا جاہل ہو۔ بہر صورت قاتل ہی سے قصاص لیا جائے گا۔ اسلام میں قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ اہل جاہلیت کرتے تھے کہ وہ کسی شریف کے بدلے اس کے رذیل قاتل سے قصاص لینے پر قطعاً راضی نہ ہوتے تھے۔ جب تک کہ قاتل کے قبیلے سے متعدد افراد کو قتل نہ کر دیتے (المرقاۃ صہ ۱۰۱ ج ۴) یعنی دور جاہلیت میں قصاص میں لوگوں کے خون برابر نہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "المسلمون تتکافأ دماءهم" فرما کر قصاص میں سب مسلمانوں کا خون برابر قرار دے دیا۔ دیۃ میں بھی مسلمانوں کے خون کی مساوات اس طرح ہے کہ اسلام نے اس بات کو جائز قرار نہیں دیا کہ کسی مسلمان کے خون کی ایک دیت ادا کر دی جائے اور کسی کے خون کے بدلے دو یا اس سے زیادہ دیتیں وصول کر لی جائیں۔

سب مسلمان مردوں کی دیت کی مقدار باہم مساوی ہے اور تمام مسلمان عورتوں کی مقدار دیت ان کے آپس میں برابر ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے حجۃ اللہ البالغہ سے بھی نقل کر

چکے ہیں: "فکل امرأۃ مکافئۃ لکل امرأۃ ولذلک کانت دیات النساء واحدۃ" تمام عورتیں آپس میں ایک دوسری کے مساوی ہیں۔ اسی لیے عورتوں کی دیت ایک ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ صـ ۱۵۱)

المعتصر من المختصر اور اشعۃ اللمعات ومرقاۃ کی سب عبارات کا یہی مفہوم ہے۔ مرد وعورت کی مقدار دیت کا مساوی ہونا ہرگز ان سے مفہوم نہیں ہوتا جس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری نے بھی مرقاۃ میں عورت کی نصف دیت کا اجماعی قول ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں: "وفی کتاب الرحمۃ واجمعوا علی ان دیۃ المرأۃ المسلمۃ فی نفسها علی النصف من دیۃ الرجل الحر المسلم انتہی" یعنی "کتاب الرحمۃ میں ہے اس بات پر اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی جان کی دیت مسلمان آزاد مرد کی دیت سے نصف ہے" آگے چل کر فرماتے ہیں: "وقال الشعبی والدیۃ للمرأۃ نصف ما للرجل فی النفس او ما دونہا" شعبی نے کہا کہ جان یا اس کے ماسوا میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

(مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ صـ ۲۸ ج ۴ طبع مصر)

اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح لمعات میں شکم مادر کے بچے کی دیت کے متعلق فرماتے ہیں: "ان سقط حیا ثم مات فیجب فیہ کمال دیۃ الکبیر فان کان ذکرا وجبت مأۃ من البعیر وان کان انثیٰ فخمسون لان دیۃ الانثیٰ نصف دیۃ الرجل" کہ اگر وہ بچہ ساقط ہو کر مر گیا تو اس میں بڑے آدمی کی پوری دیت واجب ہے۔ اگر وہ بچہ لڑکا ہے تو سو اونٹ دیت واجب ہوگی اور اگر لڑکی ہے تو پچاس اونٹ۔ اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

(حاشیہ نمبر ۹، مشکوٰۃ صـ ۳۰۲)

حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت علی کی حدیثیں ہمارے خلاف نہیں

حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت علی کی حدیثوں کو ہمارے خلاف کہا جا رہا ہے ۔ حالانکہ ان دونوں میں مرد و عورت کے زخموں کی دیت کا اختلاف وارد ہے ۔ جان کی دیۃ کے بارے میں کوئی اختلاف ان میں مذکور نہیں ۔ ہمارا کلام صرف جان کی دیۃ میں ہے ۔ زخموں کی دیۃ سے اس کا تعلق نہیں ۔ زخموں کی دیت کے بارے میں مذاہب علماء مختلف ہیں ; جس کی وجہ یہ ہے کہ دیۃ جراحات کے بارے میں آثار میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ لیکن جان کی دیۃ میں کوئی مختلف روایت وارد نہیں ہوئی ۔ اسی لیے اس میں مذاہب علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا گیا ۔ عمرو بن شعیب اور حضرت علی کی یہ دونوں حدیثیں بھی اس مسئلہ میں ہماری مؤید ہیں ۔ دیکھئے پہلی حدیث میں "حتی الثلث" کے الفاظ اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ عورت کی دیت کا مرد کی دیت کے مساوی ہونا ثلث تک ہے ۔ اس کے بعد یہ تساوی باقی نہیں رہتی ۔ تساوی کے بعد عورت کی دیۃ نصف ہی رہ جاتی ہے ۔ اس طرح دوسری حدیث بھی ہمارے موقف کی دلیل ہے ۔ کیونکہ اس میں تمام زخموں میں عورت کی دیۃ کا مرد کے مساوی ہونا مذکور ہے ۔ اگر جان میں بھی تساوی ہوتی تو مطلقاً اس کی دیۃ کو مرد کی دیۃ کے مساوی فرما دیا جاتا ۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی رو سے بھی جان کی دیۃ میں عورت مرد کے مساوی نہیں ۔

مراسیل

علامہ ابن عبدالبر حدیث مرسل کے بارے میں جمہور علمائے محدثین کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فمراسیل سعید بن المسیب ومحمد بن سیرین وابراہیم النخعی عندھم صحاح "سعید بن المسیب، محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی کے مراسیل محدثین کے نزدیک صحیح ہیں (التمہید شرح الموطا جلد اول صفحہ ۳۰)

اسی طرح شعبی کے مراسیل بھی سب محدثین کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہیں۔

امام ذہبی نے فرمایا " قال احمد العجلی مرسل الشعبی صحیح لا یکاد یرسل الا صحیحا: " تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۸۱) شعبی کی مرسل صحیح ہے وہ صرف صحیح کا ارسال کرتے ہیں غیر صحیح کا ارسال نہیں کرتے۔ علامہ ذہبی نے آگے چل کر فرمایا کہ شعبی نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی رجم کے باب میں شعبی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث روایت کی، صحیح بخاری میں ہے۔ حدثنا آدم قال حدثنا شعبۃ قال حدثنا سلمۃ بن کھیل قال سمعت الشعبی یحدث عن علی حین رجم المرأۃ یوم الجمعۃ قال رجمتھا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی شعبی حضرت علی سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب ایک عورت کو حضرت علی نے رجم کیا تو فرمایا میں نے اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق رجم کیا ہے۔

(صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۰۰۶)

اگر حضرت علی سے امام شعبی کی روایت صحیح نہ ہوتی تو امام بخاری اسے اپنی جامع میں ہرگز داخل نہ کرتے۔

امام ابوداؤد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔ شعبی کی مرسل میرے نزدیک ابراہیم نخعی کی

مرسل سے زیادہ محبوب ہے (تہذیب التہذیب جلد پانچ ص۹۹) اور ابن معین کا قول ہے کہ میرے نزدیک ابراہیم نخعی کی مراسیل شعبی کی مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں (تدریب الراوی شرح تقریب نواوی ص۱۲۴) ابوداؤد اور ابن معین دونوں کے قول سے ثابت ہوا کہ شعبی اور نخعی دونوں کی مراسیل صحت وثبوت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔

اس بیان سے عورت کی نصف دیت کے ثبوت میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے امام شعبی وابراہیم نخعی کی مراسیل جو ہم نے پیش کیں ائمہ محدثین کی تصریحات کی روشنی میں ان کا بہرحال مقبول ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد انہیں مردود کہنا قول مردود ہے۔

ضروری تنبیہ

ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن میں لفظ دیت بیان مقدار کے لحاظ سے مجمل ہے۔ امام ابو النصر مروزی اپنی تصنیف جلیل "السنۃ" میں فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا کے ضمن میں لفظ دیت کا ذکر فرمایا اور بیان مقدار میں اسے مجمل اور مبہم رکھا۔ اس کی تفسیر بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مرد کی دیت سو اونٹ مقرر فرمادی (السنۃ ص۶۰)

معلوم ہوا کہ مقدار دیت کی تعیین صرف وحی الٰہی سے ہے عقل اور رائے کو اس میں کوئی دخل نہیں اور علمائے محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ایسی کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے بغیر صحابی بیان کردے تو وہ بات صحابی کی نہ ہوگی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان قرار پائے گی۔ ایسی موقوف حدیث حکماً مرفوع ہوتی ہے۔

(دیکھئے شرح نخبہ طبع اصح المطابع کراچی ص۱۰۲-۱۰۹) تدریب الراوی ص۱۱۱۔

اس تحقیق کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ امام شعبی اور امام نخعی کی روایات منقولہ سابقہ میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو عورت کی نصف دیت مروی ہے۔ وہ ان صحابہ کرام کا قول نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اور یہ روایات منقولہ حکماً مرفوع ہیں۔

قائلین مساوات برملا کہہ رہے ہیں کہ عورت کی نصف دیت کے ثبوت میں اگر ایک صحیح حدیث بھی ہمیں مل جائے تو ہم اپنے موقف سے دستبردار ہو جائیں گے اگر واقعی وہ اپنے اس قول میں مخلص ہیں تو اب وہ ہمیں بلا تامل تسلیم کر لینا چاہیئے کہ واقعی عورت کی دیت نصف ہے۔

عورت کی نصف دیت کے ثبوت میں احادیث منقولہ میں سے اگر ان کے زعم میں کوئی حدیث ضعیف بھی ہو تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ احادیث صحیحہ سے ان کی تائید و تقویت کے بعد وہ ضعیف نہیں رہتیں۔ پھر یہ کہ تعدد طرق سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے۔

(حاشیہ ملا علی قاری بر شرح نخبۃ الفکر مطبوعہ استنبول ص۱۱)

علاوہ ازیں حدیث ضعیف کو اگر تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس کے متعلق امام سخاوی فتح المغیث میں فرماتے ہیں؟ مذہب صحیح کے مطابق وہ معمول بہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث متواتر کے درجہ میں آجاتی ہے۔ (فتح المغیث جلد اول ص۲۱۲)

ایسی صورت میں ضعف کا بہانہ بھی عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایسی بے شمار ضعیف حدیثیں موجود ہیں جو تعامل امت کی وجہ سے صحیح اور مقبول ہیں۔ مثال کے لیے میں امام ترمذی کی صرف ایک حدیث پیش کرتا ہوں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے بغیر کسی عذر کے دو نمازیں جمع کیں وہ کبیرہ گناہوں کے

دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے باوجود فرمایا "والعمل علی ھذا عند اھل العلم" (سنن ترمذی جلد اول صفحہ ۲)

معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث تعامل امت کے باعث ضعیف نہیں رہتی بلکہ وہ مقبول اور معمول بہ ہو جاتی ہے۔

عورت کی نصف دیت پر فقہاء امت کا اجماع ہے

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے دور میں عورت کی نصف دیت پر صحابہ کرام اور علماء کا تعامل روایات منقولہ کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ ہم پیش کر چکے ہیں جس پر کسی صحابی یا تابعی نے انکار نہیں کیا یہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اجماع سکوتی ہے۔ اتباع تابعین سے لے کر الاصم اور ابن علیہ (جن کے متعلق ہم آگے چل کر کلام کریں گے) کے سوا کسی کا اختلاف ہمارے سامنے نہیں آیا۔ ائمہ اربعہ اور ان کے سب متبعین بلکہ تمام محدثین عورت کی نصف دیت پر متفق ہیں۔ امام فخر الدین رازی اور شاہ ولی اللہ کے کلام میں نصف دیت کے قائلین کو "اکثر فقہاء" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ اکثر کا قول ہے۔ اس پر اجماع نہیں۔

حالانکہ "اکثر فقہاء" کے الفاظ کا تعلق دیت اطراف وجراحات سے ہے کیونکہ بعض فقہاء اطراف وجراحات میں عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے مساوی کہتے ہیں بعض کے نزدیک یہ دیت مرد کی دیت کا تہائی حصہ ہے البتہ اکثر فقہاء کا قول یہی ہے کہ وہ نصف ہے جبکہ جان کی دیت میں عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اس تفصیل سے یہ بات

واضح ہوگئی کہ "اکثر فقہا" کے الفاظ جراحات کی نصف دیت کے بارے میں ہیں. جان کی دیت کا نصف ہونا محض اکثر کا قول نہیں بلکہ سب کا اتفاقی اور اجماعی مذہب ہے اور خود امام رازی اور شاہ ولی اللہؒ بھی عورت کی دیت کو مرد کی دیت سے اقل مانتے ہیں. جیسا کہ ہم ان کی عبارات کے اقتباسات اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں.

بالفرض اگر "اکثر فقہا" کے الفاظ کو عورت کی جان کی دیت سے متعلق مان لیا جائے تو یہاں حضرات کے ہاں صرف الاصم اور ابن علیہ کے لحاظ سے استعمال کیے گئے. اگر ان کے علاوہ کسی اور کا بھی اختلاف ہوتا تو اس کا ذکر آجاتا لیکن ان دو کے سوا کسی نے کوئی تیسرا نام ذکر نہیں کیا. کل میں سے اگر دو بھی الگ ہو جائیں تو بقیہ کو اکثر ہی کہا جائے گا.

عورت کی نصف دیت کے خلاف ابوبکر الاصم اور ابن علیہ کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ یہ دونوں استاد شاگرد معتزلی بلکہ جہمی اور گمراہ ہیں. دراصل الاصم اور ابن علیہ کے الفاظ سے ان دونوں کے بارے میں اشتباہ واقع ہوا ہے. فی الواقع اصم بھی دو ہیں اور ابن علیہ بھی دو. ایک اصم ابوالعباس ہیں دوسرا اصم ابوبکر. اسی طرح ایک ابن علیہ اسمٰعیل بن علیہ ہیں جو ابن علیہ کہلانا پسند نہیں کرتے تھے اور دوسرا ابن علیہ ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ.

۱. ابوالعباس اصم امام ہیں. ثقہ ہیں اور مشرق کے عظیم محدث مولود ۲۴۷ھ متوفی ۳۴۶ھ.

(تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۸۶۰ ج ۳.)

۲. اسی طرح اسمٰعیل بن علیہ بھی اجلہ محدثین میں ہیں جن کے متعلق امام ذہبی نے لکھا: حافظ ہیں، ثبت ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں. ان کے بارے میں شعبہ کا قول ہے کہ یہ سید المحدثین تھے ان کی کنیت ابو بشر ہے. ان کی کوئی تصنیف و تالیف نہیں پائی جاتی) زیاد بن ایوب نے کہا. "میں نے اسمٰعیل بن علیہ کی کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی. ان کی ولادت ۱۱۰ھ اور وفات ۱۹۳ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۳۲۲)

۳. ابوبکر اصم کے متعلق علامہ حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ابوبکر اصم کا نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے یہ معتزلی تھا۔ اصول میں "مقالات" اس کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ عبدالجبار ہمدانی معتزلی نے ابوبکر اصم کو اپنے طبقات معتزلہ میں ذکر کیا اور اس کے متعلق کہا کہ "وہ نہایت فصیح متقی اور فقیہہ تھا۔ اس کی ایک عجیب تفسیر ہے" اس کے ساتھ ہی فرمایا "ومن تلامذته ابراهیم بن اسمٰعیل بن علیه" (لسان المیزان جلد سوم صفحہ ۴۲۷)

یعنی ابوبکر اصم کے شاگردوں میں سے ابراہیم بن اسمٰعیل ابن علیہ تھا۔

۴. ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم ابو اسحٰق البصری الاسدی۔ یہ ابن علیہ کے نام سے مشہور تھا۔ ان متکلمین میں سے تھا جو خلق قرآن کے قائل ہیں (یعنی معتزلی) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کے مناظرے جاری رہتے تھے۔ یہ ابوبکر الاصم کے غلاموں یعنی اس کے شاگردوں میں سے تھا۔ امام شافعی نے فرمایا "ابن علیہ گمراہ ہے موضع باب السوال میں بیٹھ کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا "اہل سنت کے نزدیک اس کے مذاہب مہجور ہیں۔ اس کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اسے خلاف سے تعبیر کیا جائے۔ ابن یونس نے تاریخ الغرباء میں کہا کہ فقہ میں اس کی کئی تصنیفات ہیں جو جھگڑے کے مشابہ ہیں۔ ابوالحسن العجلی نے کہا کہ ابراہیم بن علیہ جہمی خبیث ملعون تھا۔ (ملخص از تاریخ بغداد للخطیب جلد ۶ صفحہ ۲۰ تا ۲۲۔ لسان المیزان لابن حجر جلد اول صفحہ ۳۴، ۳۵۔ میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۱۱)

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر اصم اور ابراہیم بن علیہ دونوں معتزلی اور گمراہ تھے۔ دونوں صاحب تصانیف ہیں۔ فقہ، تفسیر اور اصول میں انہیں دونوں کی کتابیں پائی جاتی ہیں اس کے برخلاف سید المحدثین اسمٰعیل بن علیہ کی کوئی تصنیف نہیں جسے ان کے کسی قول کا

ماخذ قرار دیا جائے ۔ بھر یہ کہ اسمعیل بن علیہ جیسے صحیح الاعتقاد متقی عالم دین سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف کوئی راہ اختیار کریں ۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ابوبکر الاصم معتزلی ہے اور ابن علیا اس کا شاگرد ہے تو اس کے بعد اس بات میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ ابن علیہ اسمعیل بن علیہ نہیں بلکہ ابراہیم ابن علیہ ہے جو اپنے استاد ابوبکر الاصم کی طرح معتزلی بلکہ جہمی ہے ۔ اس لیے عورت کی نصف دیت کے خلاف دونوں میں سے ایک کا قول بھی اجماع کو مضر نہیں ۔ بلکہ یہ دونوں خرق اجماع کے مرتکب ہو کر خود مجرم قرار پائیں گے ۔

یہ صحیح ہے کہ بعض معتزلہ ہمارے فقہاء میں شمار کیے گئے اور ان کے اقوال کو بھی اقوال فقہاء میں شامل کیا گیا لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ جمہور فقہاء کے خلاف کسی معتزلی کا قول اہل حق نے قبول کیا ہو چہ جائیکہ اجماع فقہاء کے خلاف معتزلی اور جہمی کا قول تسلیم کر لیا جائے ۔

اب اجماع فقہاء و علماء کے ثبوت میں حسب ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیے ۔ پہلے تفسیری عبارات نقل کی جاتی ہیں ۔

۱۔ دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل ۔ یعنی عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۴۰۲ ، تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۹۰، ۱۹۱ ، تفسیر روائع البیان للصابونی جلد ۱ صفحہ ۵۰۲)

۲۔ لان دیۃ المومنۃ لاخلاف بین الجمیع الامن لایعد خلافا انہا علی النصف من دیۃ المومن وذلک غیر مخرجہا من ان تکون دیۃ ۔ یعنی چونکہ مسلمان عورت کی دیت کے بارے میں ایسے غیر معتبر شخص کے سوا جس کا اختلاف کوئی وقعت نہیں رکھتا تمام علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان عورت کی دیت مسلمان مرد

سے نصف ہے اور اس کا نصف ہونا اسے دیت ہونے سے خارج نہیں کرتا۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۱۲۳)

۲۔ اجمع العلماء علی ان دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل۔

یعنی علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

(تفسیر قرطبی صفحہ ۳۲۵ ج ۳۔)

۳۔ ودیۃ المرأۃ ومثلها الخنثیٰ نصف دیۃ الرجل۔ یعنی عورت اور اسی طرح خنثیٰ کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (تفسیر المنار صفحہ ۳۳۲ ج ۵۔)

علماء حدیث کی عبارات

وان کان انثی فخمسون۔ وھذا مجمع علیہ۔ یعنی اگر زندہ ساقط ہو کر مرنے والا بچہ لڑکی ہو تو اس کی دیت پچاس اونٹ ہیں اور اس پر اجماع ہے۔

(نووی شرح صحیح مسلم صفحہ ۶۲ ج ۲۔)

۲۔ وذلک لان دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل لقولہ علیہ السلام فی حدیث معاذ دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل۔ یہ اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ حدیث معاذ بن جبل کی وجہ سے جو انہوں نے مرفوعاً روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(سبل السلام صفحہ ۲۴۳ ج ۳۔)

۳۔ فاذا تجاوزت الثلث وبلغ العقل نصف الدیۃ صارت دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل۔ جب عورت کی دیت مرد کی دیت کے تہائی حصہ سے متجاوز ہو کر

نصف تک پہنچ جائے تو وہ مرد کی دیت سے نصف ہو جائے گی۔

(زہر الربیٰ شرح نسائی للسیوطی ص۲۵۰ ج ۸)

مذاہب ائمہ فقہ

۱۔ امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عورت کی دیت کے متعلق فرمایا کہ عورت کی تمام دیتیں جراحات میں ہوں یا جان میں۔ مرد کی دیت سے نصف ہیں۔

(کتاب الحجۃ جلد ۴ ص ۲۷۹)

۲۔ حاشیہ موطا امام محمد میں ہے۔ عورت کی دیت ہمارے نزدیک مرد کی دیت کا نصف ہے۔ سفیان ثوری، لیث، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور ابن سیرین سب کا یہی قول ہے (التعلیق الممجد ص ۲۹۱ حاشیہ ۲۔ مرقاۃ شرح المشکوۃ جلد ۴ ص ۲۵)

۳۔ موطا امام مالک میں ہے۔ تہائی حصے تک پہونچنے کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے (موطا امام مالک طبع جدید ص ۶۰۰)

۴۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں فرمایا میں نے قدیم اور جدید اہل علم میں سے کسی کو اس بات کا مخالف نہیں پایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے اور وہ پچاس اونٹ ہیں (کتاب الام جلد ۵ ص ۱۰۱)

۵۔ امام احمد بن حنبل کا مذہب فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "الروض المربع" میں اس طرح منقول ہے "اہل کتاب وغیرہ غیر مسلمین کی عورتوں کی دیت مسلمان عورتوں کی دیت کی طرح مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

(الروض المربع جلد دوم ص ۳۱۰)

فقہا کی عبارات

فقہ حنفی

۱۔ جان اور اس کے ماسوا میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وفی ما دونہا۔ کنز الدقائق ص ۲۶۴، زیلعی علی الکنز جلد ۶ ص ۱۲۸، فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۹ ص ۲۱۰، عنایہ شرح ہدایہ جلد ۸ ص ۳۰۶، مبسوط امام سرخسی جلد ۲۶ ص ۷۹، مجمع الانہر جلد ۲ ص ۶۳۹، در المنتقی شرح الملتقی جلد ۲ ص ۶۳۹، درمختار بہامش رد المحتار جلد ۵ ص ۴۰۴، خانیہ جلد ۳ ص ۴۴۹ کتاب الدرر جلد ۲ ص ۱۰۳، فتاوی خیریہ جلد ۲ ص ۳۰۶، فتاوی عالمگیری جلد ۶ ص ۲۳، بحر الرائق علی الکنز جلد ۸ ص ۳۲۹، عینی شرح کنز ص ۲۷۲، ہدایہ شرح ہدایہ جلد ۴ ص ۵۸۲،

۲۔ قال ابن عبد البر و ابن المنذر اجمع اہل العلم علی ان دیتہا نصف دیۃ الرجل۔ ابن عبد البر اور ابن المنذر نے کہا علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے (البنایہ شرح الہدایہ للعینی جلد ۴ ص ۴۸۵)

۳۔ فان کان انثی فعلیہ دیۃ انثی وھو نصف دیۃ الذکر سواء کان الجانی ذکرا او انثی لاجماع الصحابۃ رضی اللہ عنہم علی ذلک۔ اھ۔ اگر عورت مقتولہ ہو تو اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ قاتل خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس لیے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۳۱۲)

۴۔ واما المرأۃ فدیتہا نصف دیۃ الرجل بلا خلاف۔ عورت کی دیت بغیر کسی اختلاف کے مرد کی دیت سے نصف ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ جلد ۲ ص ۲۱۵)

۵۔ وان کان ینتقص بدل دمہا عن بدل دم الذکر۔ یعنی عورت کے خون کا بدلہ مرد کے خون کے بدلے سے کم ہے۔ (نور الانوار ص ۲۹۲)

فقہ مالکیہ وشافعیہ اور حنبلیہ

۱۔ واما دیۃ المراۃ فانہم اتفقوا علی انہا علی النصف من دیۃ الرجل، عورت کی دیت کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے (بدایۃ المجتہد جلد اول ص ۴۲۹)

۲۔ ودیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل۔ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے

(الاحکام السلطانیۃ قاضی ابویعلی حنبلی ص ۲۵۹)

۳۔ ودیۃ المرأۃ) الحرۃ المسلمۃ (علی النصف من دیۃ الرجل) الحر المسلم یعنی آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے (الفواکہ الدوانی جلد ۲ ص ۲۰۲ علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی المالکی الشیخ احمد بن غنیم بن سالم بن مہنا النفراوی المالکی)

۴۔ فدیۃ الحرۃ المسلمۃ من الابل خمسون۔ اھ۔ مسلمان آزاد عورت کی دیت پچاس اونٹ ہیں (الشرح الصغیر جلد ۲ ص ۲۹۹/۳۷۷)

۵۔ والمرأۃ والخنثی کنصف رجل نفسا وجرحا۔ اھ۔ عورت اور خنثیٰ دونوں کی دیت زخم اور جان دونوں میں مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(منہاج للنواوی الشافعی جلد ۴ ص ۵۶۔۵۷)

۶۔ واجمعوا علی ان دیۃ المرأۃ الحرۃ المسلمۃ فی نفسہا علی النصف من

دیة الرجل .اھ. علماء کا اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی جان کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہے (المیزان الکبری الشعرانی صفحہ ۱۲۹ ج ۲، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

۷. (ودیة انثی بصفته) ای حرة مسلمة (نصف دیته) حکاه ابن المنذر وابن عبد البر اجماعا وفی کتاب عمرو بن حزم دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل .اھ. مسلمان آزاد عورت کی دیت مسلمان آزاد مرد کی دیت سے نصف ہے ابن المنذر ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کیا اور عمرو بن حزم کی کتاب میں ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے (شرح منتہی الارادات جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)

۸. ومن المتفق علیه ان دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل ! اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے (التشریع الجنائی الاسلامی جلد اول صفحہ ۶۶۹ عبد القادر عودہ)

اجماع

اجماع پر تفصیلی کلام کرنے کا موقعہ نہیں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے۔ صحابہ کا اجماع قولی، حدیث متواتر کی طرح ایسا قطعی ہے کہ اس کے انکار کو علماء نے کفر قرار دیا۔ اس کے بعد صحابہ کا اجماع سکوتی ہے جس میں بعض صحابہ کی نص موجود ہو اور بعض کا سکوت۔ یہ بھی قطعی ہے لیکن ایسا قطعی نہیں جس کا منکر کافر قرار پائے۔ اس کے انکار کرنے والے کو علماء نے ضال یعنی گمراہ قرار دیا ہے۔

(دیکھیے نور الانوار صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷ حاشیہ قمر الاقمار ۱۲)

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تلویح توضیح جلد ۲)

ایک شبہ کا ازالہ

قائلین مساوات کا ایک بنیادی شبہ باقی رہتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ بعض روایات وعبارات میں دیۃ النفس مائۃ من الابل کے الفاظ وارد ہیں۔ ان الفاظ سے وہ یہ سمجھے کہ یہاں لفظ "النفس" کے مفہوم میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں اور اس کے عموم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ سو اونٹ دونوں کی دیت قرار پائے۔

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ لفظ "نفس" کا مفہوم یقیناً مرد اور عورت دونوں کی جان کو شامل ہے۔ لیکن متکلم کی مراد میں مرد کے ساتھ عورت شامل نہیں۔ جس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا وارد ہے۔ ضروری نہیں کہ لفظ میں عموم ہو تو متکلم کی مراد میں بھی عموم پایا جائے بعض اوقات مفہوم میں عموم ہوتا ہے لیکن متکلم کی مراد میں خصوص پایا جاتا ہے۔ خود قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ یایہا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین واذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوا ولعبا ذلک بانہم قوم لا یعقلون۔ اے ایمان والو ان کافروں اور اہل کتاب کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشا اور مذاق بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔ اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو وہ اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں۔ (المائدہ آیت ۵۷، ۵۸)

اس آیت کریمہ میں لفظ "الذین" کا مفہوم مرد و عورت سب کو شامل اور عام

ہے اور " نادیتم" کی ضمیر مرفوع کا مرجع " الذین آمنوا" ہے ۔ مگر عورتوں کا نماز کے لیے اذان دینا جائز نہیں اس لیے کہ یہ مردوں کے ساتھ خاص ہے ۔ اس قرینہ کی وجہ سے الذین آمنوا سے صرف ایمان والے مرد مراد ہیں عورتیں مراد نہیں ۔ اسی طرح آیات کریمہ ۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۔ بے شک فلاح پائی ان ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے بچتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی پارسائی کی حفاظت کرتے ہیں ۔ سوائے اپنی منکوحہ بیویوں یا اپنی باندیوں کے تو وہ ان میں ملامت کیے ہوئے نہیں ۔ (المومنون ۔ آیت ا تا ۶)

ان آیات مقدسہ میں " المومنون " کا مفہوم مرد و عورت سب کو عام ہے لیکن " او ما ملکت ایمانھم " کے الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ " المومنون " سے مراد عورتیں نہیں صرف مرد ہیں ۔ کیونکہ " ایمانھم " میں ضمیر مجرور کا مرجع " المومنون " ہے ۔ اگر اس میں عورتیں شامل ہوں تو جس طرح مردوں کے لیے ان کی باندیاں حلال ہیں عورتوں کے لیے بھی ان کے غلام حلال قرار پائیں گے جو بداھۃ باطل ہے ۔ رہے وہ احکام جہاں دونوں مقام کی آیتوں میں مردوں اور عورتوں سب کے لیے عام ہیں تو عورتوں کا ان احکام کے ساتھ مکلف ہونا قرآن مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہے ۔ ان آیات کے عموم میں عورتیں شامل نہیں ۔

اسی طرح " دیۃ النفس مائۃ من الابل " میں لفظ نفس سے عورت کی جان مراد نہیں ۔ کیونکہ اس کی دیت نصف ہونے کے بارے میں جو احادیث و آثار

وارد ہیں وہ اس بات کا قرینہ ہیں کہ دیت النفس کے الفاظ میں لفظ نفس سے صرف مرد کی جان مراد ہے۔ عورت کی جان مراد نہیں۔

الحمد للہ قائلین مساوات کے تمام شبہات کا ازالہ ہو گیا اور ہم نے کتاب و سنت، اجماع امت، مفسرین و محدثین اور ائمہ اربعہ و عامۃ الفقہاء کے حوالہ جات سے ثابت کر دیا کہ قتل خطا میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ قیاسی نہیں عقل و رائے سے بالاتر ہے لیکن اس کے باوجود عقل سلیم، قیاس صحیح اور اصابت رائے اس کا مؤید ہے۔ جس کی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں لیکن قائلین مساوات ایسی کوئی دلیل اور کوئی روایت پیش نہ کر سکے جس میں عورت کی دیت کا مرد کے مساوی ہونا صراحتاً مذکور ہو نہ علماء امت میں سے کسی کا قول ان کی تائید میں سامنے آیا۔

مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ چونکہ مذاہب اربعہ کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا اس لیے ان ہی کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔ ان سے باہر جانا سواد اعظم سے خروج قرار پائے گا (عقد الجید ص ۳۲) عورت کی نصف دیت کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ متفق ہیں ان کا انکار بہت بڑی جسارت بلکہ صراط مستقیم سے انحراف ہوگا۔

قائلین مساوات کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس دور میں عورتیں ملازمت کر کے

کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہیں ۔ لہٰذا ان کی دیت مردوں کی دیت کے برابر ہونی چاہیئے ۔

حالانکہ یہ امور ایسے نہیں جو دیت کی مقدار پر اثر انداز ہوں ۔ دیکھیے محنت کر کے بچوں کی روزی کمانے والے ہنرمند اور بے کار بیٹھنے والے بے ہنر کی دیت مساوی ہوتی ہے ۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جرم کی نوعیت کے پیش نظر اگر قاضی سمجھتا ہو کہ اصل دیت کے علاوہ کچھ زائد رقم مقتولہ کے ورثاء کو دلانا مناسب ہے تو اپنی صوابدید کے مطابق ایسا کرنے کا اسے اختیار ہونا چاہیئے بشرطیکہ وہ زائد رقم محض بطور تغلیظ ہو ۔ اسے دیت قرار نہ دیا جائے ۔ جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بروایت بیہقی ہم نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے قاتل سے جس نے کسی عورت کو غلطی سے حرم مکہ میں پامال کر کے ہلاک کر دیا تھا آٹھ ہزار درہم مقتولہ کے ورثاء کو دلائے ۔ چھ ہزار دیت کے اور دو ہزار بطور تغلیظ اس لیے کہ حرم میں اس سے یہ جرم سرزد ہوا تھا لیکن اس زائد رقم کو دیت قرار دینا ہرگز جائز نہ ہوگا ۔

مرد و عورت کی دیت کو برابر کہنے والے اپنے اس غلط نظریئے کی تائید کیلئے ائمہ ہدیٰ کی طرف بے بنیاد اقوال منسوب کر رہے ہیں اور بعض فقہاء کی عبارات سے غلط نتائج نکالنے میں مصروف ہیں ۔ چنانچہ نوائے وقت ۱۵ نومبر کی اشاعت میں " مرد و عورت کی دیت میں برابری " کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں بحوالہ " الاکلیل فی استنباط التنزیل " کہا گیا کہ " کفارے کی برابری سے مقدار دیت کی برابری کا استدلال امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ ہے " اور یہ دلیل امام اعظم کی پیش کردہ تھی ، جب کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

سے اس دلیل اور کتاب کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ امام سیوطی کے استنباط کو امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کی پیش کردہ استدلال اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ دلیل کہنا یقیناً علمی خیانت ہے۔ اسی طرح "المنتقی" امام مالک کی نہیں بلکہ ابوالولید باجی کی تصنیف ہے۔ اُن کے قول کو امام مالک کا قول کہنا بھی قطعاً بے بنیاد اور خلاف واقع ہے۔ پھر یہ کہ ان دونوں کتابوں کی عبارتوں سے مرد و عورت کی دیت کے برابر ہونے کا جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے قطعاً غلط اور ناقابل التفات ہے۔ "الاکلیل" اور "المنتقی" دونوں کی زیر نظر عبارات کا تعلق مرد و عورت کی دیت سے نہیں بلکہ "الاکلیل" کی عبارت مومن و کافر دیت کی مساوات کے بارے میں ہے اور "المنتقی" کی عبارت تغلیظ دیت کی نفی سے متعلق ہے۔ جنہیں کھینچ تان کر مرد و عورت کی دیت سے متعلق کیا جا رہا ہے۔

سیوطی کے استنباط کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ مومن و کافر کے قتل خطاء کی سزا میں کفارہ اور دیت دونوں کا ذکر آیت کریمہ میں وارد ہے جب کافر کے قتل کی سزا میں کفارہ کم نہیں ہوا تو اس کی دیت کی مقدار میں کس طرح کمی ہو سکتی ہے۔ جب مومن و کافر کا کفارہ یکساں ہے۔ تو دونوں کی دیت بھی یکساں ہوگی اور ابوالولید باجی کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ حرم میں قتل واقع ہونے کی وجہ سے جب کفارے کی مقدار میں زیادتی نہیں ہوئی تو حرم کی وجہ سے دیت کی مقدار کیونکر بڑھائی جا سکتی ہے یعنی حرم کی وجہ سے کفارے کی مقدار کا زیادہ نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حرم کے لحاظ سے دیت کی مقدار میں بھی زیادتی نہ کی جائے گی۔ ادنیٰ سمجھ رکھنے والا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ کمی اور بیشی دونوں امور اضافیہ سے ہیں۔ جب تک کسی چیز کی مقدار معین اور معلوم نہ ہو اس میں کمی بیشی متصور نہیں۔

قتل خطا کے کفارے کی مقدار کا معین اور معلوم ہونا آیت کریمہ سے واضح ہے۔
لیکن دیت کی مقدار پورے قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔ ایسی صورت میں دیت کی مقدار
معین کا علم لوگوں کے عرف وعادت اور تعامل کے ذریعے ہوگا۔ یا بیان شارع سے۔ اسلام
سے پہلے عرف وعادت اور لوگوں کے تعامل میں مرد کی دیت سو اونٹ اور عورت کی
دیت اس کا نصف مقرر تھی۔ جس کے ثبوت میں ہم اس سے پہلے "المفصل فی تاریخ العرب
قبل الاسلام صفحہ ۵۹۳ ج ۵" کے حوالے سے لکھ چکے ہیں: "وتکون دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل"
"عورت کی دیت، مرد کی نصف دیت کے برابر ہوتی تھی" جسے اسلام نے بھی برقرار رکھا۔ جیسا کہ
احادیث وآثار اور اجماع امت کے حوالے سے تفصیلاً گزر چکا ہے اور یہی بیان شارع ہے۔
لوگوں کے عرف وعادت اور بیان شارع، دونوں کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مرد کی دیت
کی معلوم ومعین مقدار سو اونٹ تھی اور عورت کی دیت کی معلوم ومعین مقدار پچاس اونٹ تھی
لہٰذا امام سیوطی کے استنباط مذکور، کا خلاصہ یہ نکلا کہ جب مومن وکافر دونوں کے قتل
کا کفارہ برابر ہے تو ان کی دیت بھی برابر ہوگی۔ کافر کی دیت مومن کے برابر اور کافرہ
کی دیت مومنہ کی دیت کے مساوی رہے گی یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کافر
کی دیت پچاس اونٹ ہو جائے اور کافرہ کی دیت پچیس اونٹ رہ جائے۔ ہمارے
اس بیان سے ابوالولید باجی کے قول کا مفہوم بھی بخوبی واضح ہوگیا۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں
کہ دیت کا وجوب محض فعل قتل سے متعلق ہے حرم میں ہو یا غیر حرم میں۔ حرم میں قتل کرنے
سے جب کفارہ نہیں بڑھتا تو دیت کیسے بڑھ سکتی ہے۔ یعنی فعل قتل اگر حرم میں بھی واقع ہو جائے
تو دیت وہی رہے گی جو لوگوں کے عرف وعادت اور بیان شارع کی روشنی میں معلوم ومعین
ہے۔ مرد کی دیت اپنی مقدار معین سو اونٹ سے نہ بڑھے گی۔ اسی طرح عورت کی دیت

بھی اپنی مقدار معین (پچاس اونٹ) سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ عورت
کے قتل کا کفارہ بھی وہی ہے جو مرد کے قتل کا کفارہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ کفارے کی مقدار
تو وہی رہے اور دیت کی مقدار سو اونٹ سے کم ہو کر پچاس اونٹ رہ جائے قطعاً غلط ہے
عورت کی مقدار دیت جو عرفاً و شرعاً معلوم و متعین ہے۔ وہ سو اونٹ نہیں بلکہ پچاس
اونٹ ہی ہے جس میں کمی بیشی واقع نہیں ہوئی۔

یہ صحیح ہے کہ سورۂ نساء کی آیت "ومن قتل مومنا خطأ" کا لفظ "مومن" وجوب کفارہ اور
وجوب دیت کے اعتبار سے تغلیباً مومنہ کو بھی شامل ہے دونوں کے قتل خطا میں کفارہ بھی واجب
ہے اور دیت بھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ لفظ "مومن" خاص النوع ہے جو صرف مرد کیلئے وضع کیا گیا
ہے۔ وہ اپنے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے عورت کو شامل نہیں اسی طرح "وان کان من
قوم بینکم وبینہم میثاق" میں لفظ "کان" بھی مذکر کا صیغہ ہے۔ جس
سے مراد کافر ہے اور وہ اپنے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے کافرہ کو شامل
نہیں لیکن وجوب کفارہ اور وجوب دیت کے اعتبار سے وہ کافرہ عورت کو اسی طرح شامل
ہے جس طرح لفظ مومن مومنہ کو۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان مرد و عورت کے لیے اس آیت
میں قتل خطا کی سزا کے طور پر دیت اور کفارے کا ذکر بھی اسی طرح اکٹھا ہے جس طرح مسلم
اور ذمی کے لیے تھا، لیکن یہ صحیح نہیں کہ ان کی مقدار دیت کی برابری کفارے کی بنا پر تسلیم کی
گئی ہے۔ بلکہ ان کی دیت کی مقدار معین میں کمی بیشی کا نہ ہونا کفارے میں کمی بیشی نہ ہونے
کی بنا پر تسلیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس دلیل کی رو سے یہ تسلیم کرنا ضروری ہو گیا کہ مرد و عورت
کی دیت کی مقدار معین علی الترتیب سو اور پچاس اونٹ ہیں اس لیے کمی بیشی نہیں ہو سکتی
کہ دونوں کے قتل خطا کے کفارے کی مقدار میں کمی بیشی ناممکن ہے۔

قائلینِ مساوات کا ائمہ ھُدیٰ پر الزام

قائلین مساوات نے امام محمد بن حسن شیبانی اور امام ابوبکر جصاص جیسے ائمہ ھدیٰ پر بھی یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے سورۂ نساء کی اسی آیت "ومن قتل مومنا خطأ" سے استدلال کرتے ہوئے ذمی کافر کی دیت کو مومن کی دیت کے برابر قرار دیا لیکن مسلمان عورت کی دیت کو نصف ہی رکھا اور اس طرح اسے ایمان سے بھی خارج کر دیا۔

میں عرض کروں گا کہ ائمہ دین کے حق میں یہ طعن ہرگز قابل التفات نہیں۔ مومن اور ذمی کافر کی دیت کے مساوی ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال بالکل صحیح ہے لیکن مرد و عورت کی دیت کا مساوی ہونا اس آیت سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ امام محمد اور امام ابوبکر جصاص کا یہ استدلال چار وجوہ پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ لفظ مومن مذکر کا صیغہ ہے۔ جو مومن مرد کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مومنہ عورت کو اپنی وضع کے اعتبار سے وہ شامل نہیں۔ دوسرا یہ کہ لفظ دیت کا اطلاق سو اونٹ پر ہوتا ہے۔ جو مرد کی کامل دیت ہے۔ تیسرا یہ کہ اس آیت میں معاہد (ذمی) کے لیے لفظ "کان" وارد ہے۔ وہ بھی مذکر کا صیغہ ہے اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عورت کو شامل نہیں۔ چوتھا یہ کہ "دِیَةٌ مُسَلَّمَةٌ" کے الفاظ مومن اور اہل میثاق (ذمی کافر) دونوں کے لیے یکساں وارد ہوئے ہیں۔ جو مرد کے اعتبار سے سو اونٹ ہی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جس طرح مومن مرد کی دیت سو اونٹ ہے۔ اسی طرح ذمی کافر مرد کی دیت بھی سو اونٹ ہے (ملخصاً الاحکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص ص ۲۹۰ ج ۲) (کتاب الحجۃ للامام محمد بن حسن الشیبانی ص ۳۴۵ ج ۴)۔ خلاصہ یہ کہ لفظ مومن اور لفظ "کان" دونوں مذکر کے صیغے ہیں۔ ان کا مصداق وضعی اور حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے صرف مقتول مرد ہے مقتولہ عورت نہیں۔ لہٰذا لفظ دیت باعتبار صیغہ مذکر دیت کاملہ کے معنی میں آیا ہے۔ پھر یہ کہ

اہل میثاق کے لیے بھی "دیۃ مسلّمۃ" کے الفاظ وارد ہیں۔ لہٰذا مومن مرد اور ذمی کافر مرد کی دیت کا مساوی ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔

یہ تفصیل اس اختلافی مسئلے سے متعلق تھی کہ احناف کے نزدیک مسلمان اور ذمی کافر کی دیت برابر ہے اور شوافع کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر نہیں لیکن مرد و عورت کی دیت میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ وہ دور جاہلیت میں بھی متعارف تھی۔ اس وقت دستور یہی تھا کہ مرد کی دیت پوری (سو اونٹ) اور عورت کی دیت اس کا نصف (پچاس اونٹ) ہوتی تھی۔ پھر اسلام نے قصاص و دیت کے معاملے میں خلاف دستور ہر قسم کے ظلم و تعدی کو مٹا کر اہل دستور کے مطابق مرد و عورت کی مقدار دیت علی الترتیب سو اونٹ اور پچاس اونٹ برقرار رکھی جس پر ہم اس سے پہلے تفصیلاً مضبوط دلائل قائم کر چکے ہیں۔ رہا یہ امر کہ آیت کریمہ "ومن قتل مومناً خطاءً" میں مومناً کے ساتھ "مومنۃ" کو بھی ہم نے شامل کیا ہے۔ تو مخفی نہ رہے کہ یہ شمول صیغہ کے اعتبار سے نہیں اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ مومن مذکر کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے وضعی، حقیقی معنیٰ "ایمان والے مرد" کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مذکر کا صیغہ اپنی وضع کے اعتبار سے مونث کو بھی شامل ہو تو قرآن مجید کے حسب ذیل تمام استعمالات معاذ اللہ لغو قرار پائیں گے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی پارسائی

کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں اللہ نے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

(احزاب)

اس آیت میں اللہ تعالے نے مردوں اور عورتوں کے لیے مشترک اوصاف حسنہ اور مشترک اجر و ثواب کا حکم بیان فرمایا ہے۔ مگر اس کے باوجود مذکر کے صیغے میں مونث شامل نہیں، نہ مونث کے صیغے میں مذکر شامل ہے۔ قرآن کریم میں ہر جگہ اگر مذکر کے صیغوں میں عورتیں شامل ہوتیں تو الذین آمنوا۔ اور، المومنون کے عموم میں بلا تخصیص ہر جگہ عورتیں شامل رہتیں، مگر ایسا نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس بکثرت آیات قرآنیہ ایسی ہیں جہاں الذین امنوا اور المومنون میں مردوں کے ساتھ عورتیں قطعاً شامل نہیں مثلاً یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام (اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اسی وقت جب تمہیں کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (الاحزاب آیت ۵۳)

یہاں الذین آمنوا میں عورتیں شامل نہیں۔ نیز فرمایا واذ غدوت من اھلک تبوی المؤمنین مقاعد للقتال اور صبح کے وقت آپ اپنے اہل کے پاس سے تشریف لائے ایمان والوں کو مورچوں پر بٹھا رہے تھے (آل عمران آیت ۱۲۱)

یہاں بھی المومنین سے صرف مرد مراد ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آیت کریمہ "من قتل مومنا" میں لفظ مومن سے عورت کو خاص کرنا اسے ایمان سے خارج کر دینا ہے اسی پر مبنی ہے۔ لفظ مومن کے صیغے میں عورت شامل ہی نہیں تو اسے خاص کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ "من قتل مومنا خطا" میں لفظ مومن

کے وضعی اور حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے ہم نے مومنہ کو مومن کے ساتھ شامل نہیں کیا بلکہ بطور مجاز تغلیباً اور ضمناً صرف اس بنا پر ہم نے مومنہ کو مومن کے ساتھ شامل مانا ہے کہ نفس وجوب دیت اور کفارہ کا حکم دونوں کے لیے یکساں ہے۔ اور وصف ایمان دونوں میں مشترک ہے۔ اس لیے اس لحاظ سے تغلیباً وہ مومنہ کو بھی شامل ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ "انما المومنون اخوة" میں لفظ "مومنون" ضمناً مومنات کو بھی شامل ہے۔ علامہ خازن نے "واركعي مع الراكعين" پر کلام کرتے ہوئے فرمایا "وانما قال اركعي مع الراكعين ولم يقل مع الراكعات لان لفظ الراكعين اعم فيدخل فيه الرجال النساء" (تفسیر خازن صـ۲۲۳ ج ۱)

حدیث نبوی "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر مانهى الله عنه (صحیح بخاری صـ ج ۱) میں "المسلم" "المسلمون" "المهاجر" کے الفاظ تغلیباً مسلمہ، مسلمات اور مہاجرہ کو بھی شامل ہیں۔ بنابریں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ قتل خطاء کی آیت میں اسی لحاظ سے لفظ "مومن" تغلیباً مومنہ کو بھی شامل ہے اور قتل خطاء کی صورت میں مومن اور مومنہ دونوں کی دیۃ کا وجوب اس آیت سے ثابت ہے اور وجوب کفارہ اور وجوب دیۃ کے حکم میں مومنہ اور مومن دونوں شامل ہیں تو یہ کسی دلیل شرعی کے خلاف ہوگا۔

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لفظ "مومن" خاص النوع ہے اسے مومنہ کیلئے عام تسلیم کرنا صحیح نہیں کیونکہ عموم و خصوص باہم متقابلین ہونے کی وجہ سے جمع نہیں ہو سکتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خصوص باعتبار نوع کے ہے اور عموم وصف عام اور افراد کے لحاظ سے لہٰذا دونوں کے جمع ہونے سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ لفظ مومن نکرہ حیز اثبات میں ہے اور حیز اثبات

میں نکرہ ہمیشہ خاص ہوتا ہے میں عرض کروں گا کہ حیز اثبات میں نکرہ کا ہمیشہ خاص ہونا ہرگز صحیح نہیں، بلکہ حسب اقتضاء مقام وہ عام بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے " تمرة خیر من جرادة " اور قرآن مجید میں ہے " علمت نفس ما احضرت " اور " علمت نفس ما قدمت " ان سب مثالوں میں نکرہ حیز اثبات میں واقع ہونے کے باوجود عام ہے۔ بلکہ وصف عام کے ساتھ تو نکرہ اکثر عام ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو التوضیح علی التنقیح ج ۱ ص ۵۰۔ لہذا لفظ مومن خاص النوع ہونے کے باوجود مومنہ کو شامل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ شمول صرف وجوب کفارہ اور وجوب دیت میں ہے۔ مقدار دیت میں نہیں یعنی جس طرح مرد کے قتل خطا میں دیت اور کفارہ واجب ہیں، اسی طرح بلا تخصیص عورت کے قتل خطا میں بھی یقیناً دیت اور کفارہ واجب ہیں۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ مقدار دیت دونوں کی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کی تعیین قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوئی۔ اس لیے مقدار دیت بلسبت کتاب اللہ مجمل ہے اس کا بیان احادیث و آثار اور اجماع امت میں وارد ہے یا لوگوں کے عرف و عادت یا بیان شارع سے اس کی تعیین ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم بار بار اس پر تنبیہ کر چکے ہیں۔

آیت کریمہ " من قتل مؤمنا خطاء " میں لفظ مومن مذکر کا صیغہ اس لیے وارد ہوا کہ فعل قتل ہمیشہ سے اکثر و بیشتر مردوں کے آپس میں واقع ہوتا رہا ہے۔ عموماً مرد ہی قاتل اور مرد ہی مقتول ہوتے ہیں۔ عورت کسی کو قتل کر دے یا کوئی شخص عورت کو قتل کر دے نسبتاً بہت کم ایسا ہوتا ہے۔ قانون کی زبان میں بھی " قاتلہ مقتولہ " کی بجائے بصیغہ مذکر قاتل و مقتول ہی کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ فی الجملہ عورت بھی اپنی خصوصیت کے ساتھ ضمناً اُن میں شامل ہوتی ہے۔ لیکن اصالتاً قانون کا تعلق مرد ہی سے ہوتا ہے اسی اصل کے مطابق " دیة النفس " اور " دیة المؤمن " میں " النفس " اور " المؤمن " سے

مرد ہی مراد ہے عورت نہیں ۔

امام ابوبکر جصاص نے اس مقام پر مومن کے معنی "رجل مومن" بیان فرمائے اور "النفس" کے معنی "نفس الحر" یعنی آزاد مرد بیان فرمائے

دیکھئے (تفسیر احکام القرآن صفحہ ۱۹۰ ج ۲)

امام ابوبکر جصاص نے ذمی کی دیت پر کلام کرتے ہوئے آیت کریمہ میں لفظ دیت کو اس اعتبار سے ظاہر و متعین قرار دیا کہ نزول آیت سے پہلے لوگوں کے عرف و عادت میں اس کی مقدار سب لوگوں کے نزدیک معلوم اور معین تھی۔ لیکن اس اعتبار سے کہ قرآن مجید میں مقدار دیت کا ذکر کہیں بھی وارد نہیں ہوا اسے مبہم اور مجمل کہا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل مبارک کو اس کا بیان قرار دیا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

وایضا لما لم یکن مقدار الدیة مبینا فی الکتاب کان فعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی ذلک واردا مورد البیان

(احکام القرآن للجصاص صفحہ ۲۹۱ ج ۲)

سابقا تفسیر قرطبی اور مظہری کے حوالے بھی ہم نقل کر چکے ہیں کہ امام قرطبی نے بھی آیت قرآنی میں لفظ دیت کو بیان مقدار میں مبہم و مجمل قرار دیا وہ فرماتے ہیں۔ ولم یبین اللہ فی کتابہ ما یعطی الدیة ۔ (احکام القرآن للقرطبی صفحہ ۲۱۵ ج ۳۰)

نیز اسی آیت کے تحت تفسیر مظہری میں ہے۔ وھی مجملة فی المقدار ومن یجب علیہ بینہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ یعنی لفظ دیت بیان مقدار میں مجمل ہے اور اس بارے میں بھی کہ وہ کس پر واجب ہے یہ دونوں باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں۔

(تفسیر مظہری صفحہ ۱۹۵ ج ۲)

ایسی صورت میں ہمارا یہ کہنا بلا شبہ صحیح ہوگا کہ عورت کی نصف دیت کی احادیث وروایات جو اصول محدثین کے مطابق یقیناً صحیح وثابت اور تلقی بالقبول کی بنا پر حجت شرعیہ ہیں اور اجماع امت بھی ان کے مطابق ہے۔ مومن کی مقدار دیت کے قرآنی اجمال کی تفسیر کرتی ہیں۔ جس کے بعد کوئی ابہام باقی نہیں رہتا اور بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ عورت کی نصف دیت کا حکم سورہ نساء کی آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہے اور یہ کہ امام محمد بن حسن شیبانی و دیگر ائمہ ھدیٰ پر جو طعن کیا گیا ہے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔

حیرت ہے کہ ان قائلین مساوات نے اجماع امت کو یہ کہہ کر پس پشت ڈال دیا کہ بیسیوں ایسے اجماع ہیں جن کے خلاف ائمہ فقہاء کے اقوال پائے جاتے ہیں لیکن ہمارے اس پیش کردہ اجماع کے خلاف آج تک کسی فقیہ یا امام کا کوئی قول یہ لوگ پیش نہ کر سکے نہ انشاء اللہ قیامت تک پیش کر سکیں گے۔

انتہائی تگ و دو کے بعد صرف ابوبکر اصم اور ابن علیہ کا نام یہ لوگ پیش کر سکے ہیں۔ ابوبکر اصم کے بارے میں ہم اس سے پہلے حافظ ابن حجر کا قول بحوالہ لسان المیزان صفحہ ۴۲۷ ج ۲ نقل کر چکے ہیں کہ وہ معتزلی تھا اور عبدالجبار ہمدانی معتزلی نے اپنے طبقات معتزلہ میں اس کا ذکر کیا اسی طرح اس کے شاگرد ابن علیہ کے متعلق بھی بحوالہ تاریخ بغداد للخطیب صفحہ ۲۳ ج ۶، لسان المیزان، ابن حجر، ص: ۳۲، ۳۵، ج: ۱، میزان الاعتدال: ص: ۱۱، ج: ۱، ہم سابقاً نقل کر چکے ہیں کہ وہ ضال ومضل اور بہی خبیث تھا۔ اس کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اسے خلاف سے تعبیر کیا جائے۔ ثابت ہوا کہ ان دونوں کا خلاف ہمارے پیش کردہ اجماع کے لیے قطعاً مضر نہیں بلکہ یہ دونوں خرق اجماع کے مرتکب ہو کر خود مجرم ہیں۔

پھر انتہائی حیرت واستعجاب اس امر پر ہے کہ قائلین مساوات نے ہماری پیش کردہ

احادیث وآثار وروایات کے مطابق اجماع امت ہونے کے باوجود انہیں مجروح، منقطع ضعیف اور مردود کہہ دیا۔ جب کہ محدثین نے اپنے اصول کے مطابق انہیں صحیح وثابت اور مقبول قرار دیا۔ جیسا کہ ہم اجلۂ محدثین کی عبارات واقوال بحوالہ تمہید ص۲۰ ج۱۰۔ (تذکرہ الحفاظ ص۱۱ ج۱۰۔ تہذیب التہذیب ص۲۰ ج۵۔ تدریب الراوی ص۱۲۴) نقل کر چکے ہیں۔

لیکن قائلین مساوات اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صحیح حدیث تو درکنار کوئی ایک ضعیف روایت بھی پیش نہ کر سکے۔ جس میں یہ مذکور ہو کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ ان حضرات کے پاس نہ قرآن کی کوئی آیت ہے نہ حدیث۔

صرف ایک حدیث "المسلمون تتکافأ دماؤھم" سے مسلمان مرد وعورت کی دیت کے مساوی ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے استدلال کی بنیاد صرف یہی ہے کہ انہوں نے مذکر کے صیغے میں مونث کو شامل کر کے عموم کا سہارا لیا۔ جس کا اصولی طور پر غلط ہونا ہم بیان کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث کی رو سے تمام مسلمانوں کے خون کو مطلقاً باہم متماثل مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ہر مسلمان کے قتل خطاء کی سزا یکساں ہو حالانکہ عامۃ المسلمین کے قتل خطاء کی سزا کفارہ مع الدیۃ ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ نساء کی آیت میں وارد ہے کہ "جس نے کسی مومن کو بطور خطاء قتل کیا تو اس کی سزا ایک مسلمان غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ اور دیت ہے جو اس کے اہل کے سپرد کی ہوئی ہو۔"

اس کے بعد اسی آیت میں متصلاً مذکور ہے کہ "اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن ہو تو اس کے قتل خطاء کی سزا صرف کفارہ ہے یعنی ایک مسلمان غلام یا

باندی کا آزاد کرنا ہے ' دیت نہیں . مقام غور ہے کہ جب حدیث کی رو سے تمام مسلمانوں کے خون مطلقاً مساوی ہیں یعنی سب کے قتل خطاء کی سزا یکساں ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عامۃ المسلمین کا خون بہانے کی سزا کفارہ اور دیت دونوں کا مجموعہ ہو اور دشمن قوم سے تعلق رکھنے والے مومن کا خون بہانے کی سزا دیت کے بغیر محض کفارہ ہو گیا سب مسلمانوں کے خون کے مطلقاً مساوی ہونے کا یہی مفہوم ہے ؟ ایسی صورت میں یہ حدیث قرآن کی نص صریح کے خلاف قرار پائے گی جو کتاب اللہ کے مقابلے میں کسی طرح قابل عمل نہیں ہو سکتی . معلوم ہوا کہ یہ استدلال قطعاً غلط اور ناقابل قبول ہے . اصل بات یہ ہے کہ قتل ہونے والے مسلمان نوعیت قتل کے لحاظ سے مختلف ہیں . مثلاً مقتول عمداً ، مقتول خطاء . پھر وہ مقتول مسلمان اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بھی مختلف اقسام پر مشتمل ہیں . کوئی مرد ہے کوئی عورت . کوئی عامۃ المسلمین میں سے ہے . کوئی مسلمان ہونے کے باوجود دشمن قوم سے متعلق ہے . حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس قسم کے مقتول مسلمان ہوں ان کے خون آپس میں مماثل ہیں . جو مقتول جس قسم سے متعلق ہوگا اس کے قتل کی سزا وہی ہوگی . جو اس قسم کے دیگر افراد کے قتل کی سزا ہے . مثلاً مومن مرد و عورت کے قتل عمد کی سزا قصاص ہوگی اور قتل خطاء کی صورت میں عامۃ المسلمین میں سے اگر کسی کو قتل کر دیا جائے تو اس کی سزا کفارہ مع الدیۃ ہوگی اور دشمن قوم سے تعلق رکھنے والے ہر مومن مرد و عورت کے قتل کی سزا بغیر دیت کے کفارہ ہوگی . اسی طرح اگر کوئی مسلمان مرد مقتول ہو جائے تو اس کے قتل کی سزا کفارہ کے ساتھ پوری دیت ہوگی اور اگر کوئی مسلمان عورت قتل کر دی جائے تو اس کے قتل کی سزا کفارہ کے ساتھ نصف دیت ہوگی .

قائلین مساوات کا اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ایمان والے مردوں اور عورتوں

کے خون آپس میں مماثل ہیں اور اس بنا پر دونوں کی دیت برابر ہے غلط ثابت ہوا گیا ہیں ہے کہ ہر قسم کے مقتولین مسلمین کے خون ان کے آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ یہی بات بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ صـ ۱۵۸ شاہ ولی اللہ کی عبارت سے ہم نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ "عورتوں کے خون ان کے آپس میں ایک دوسرے سے مماثل ہیں اسی لیے عورتوں کی دیت ایک ہے"۔

زیر نظر مضمون کا آخری حصہ پڑھ کر بے ساختہ زبان پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" جاری ہو جاتا ہے۔ حق کو باطل کے پردوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی گئی ہے مگر یاد رہے کہ "اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی" کوئی مانے یا نہ مانے حق ہمیشہ غالب ہی رہے گا۔ کسی کے مغلوب کرنے سے وہ مغلوب نہ ہو سکے گا۔ دیکھیے اس مضمون کے آخر میں بڑی قوت کے ساتھ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آیت قرآنی کا منشا محض وجوب دیت میں مرد و عورت کو برابر کرنا ہرگز نہ تھا بلکہ مقصود قرآن ہی مقدار دیت میں برابری پیدا کرنا تھا۔ گویا مفسرینؒ محدثینؒ اور علماء مجتہدینؒ، تابعینؒ و خلفاء راشدینؓ میں سے کسی ایک نے بھی آیت قرآنی کے منشا کو نہ سمجھا اور مقصود قرآن کو پانے سے ساری امت مسلمہ بے بہرہ رہی۔ آج صرف ایک شخص نے آیت قرآنی کے منشا کو سمجھا اور مقصود قرآن کو پالیا۔ افسوس صد افسوس۔

اس دعویٰ کی دلیل میں کہا گیا کہ وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے دور جاہلیت کے عربوں میں دیت کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا جس کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت منکشف ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ دور جاہلیت کے عرب مرد و عورت دونوں میں سے کسی کے لیے بھی نفس وجوب دیت کے منکر نہ تھے بلکہ ان کے ہاں فرق ہی مقدار دیت کے اعتبار سے تھا یعنی آیت کریمہ میں مرد و عورت کی دیت کے وجوب کا حکم اس لیے

نہیں کہ ایام جاہلیت کے لوگ دونوں کے حق میں وجوب دیت کا حکم پہلے ہی مانتے تھے۔ ایسی صورت میں آیت قرآنی میں وجوب کا حکم نازل کیا جانا تحصیل حاصل کے مترادف ہو گا۔ یہاں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ قرآن کا حکم وجوب حکم شرعی ہے۔ دور جاہلیت میں شرع موجود ہی نہ تھی تو حکم شرعی کا وجود اس زمانے میں پایا جانا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ جاہلیت کے لوگ اپنے دستور کے مطابق مرد و عورت کے لیے دیت کو واجب سمجھتے ہوں گے مگر ایسے وجوب کو حکم شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم نازل فرما کر مرد و عورت کی دیت کو شرعاً واجب قرار دے دیا۔ جسے "تحصیل حاصل" کہنا محض لا حاصل بلکہ اصطلاحات شرعیہ سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یہ کہ بدل نفس کی مقدار معلوم کا نام دیت ہے۔ اہل جاہلیت جن کے متعلق کہا گیا کہ وہ مرد و عورت دونوں کے قتل خطا میں وجوب دیت کے قائل تھے یقیناً وہ ہر ایک کی مقدار دیت کو ضرور جانتے ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ظلم و تعدی کے طور پر کسی سے زیادہ دیت وصول کر لیں یا ادا کرتے وقت کسی کو کم ادا کریں۔ یا کسی وقت دیت کی ایک مقدار مقرر کر لیں اور کسی دوسرے وقت اسے کم کر دیں یا بڑھا دیں۔ اس کے باوجود آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ مرد و عورت کی مقدار دیت ان کے دستور میں کسی وقت بھی مساوی رہی ہو۔ بلکہ عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا ضرور ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم بار بار متنبہ کر چکے ہیں۔ مختلف ادوار اور مختلف قبائل میں اور مختلف قسم کے اشخاص کے لیے جاہلیت کے زمانے میں مقدار کا کم و بیش ہونا حقیقت ثابتہ ہے لیکن عورت کی دیت کا مرد کی دیت کے برابر ہونا کہیں ثابت نہیں۔ اس عدم مساوات کو ان کے ظلم و تعدی میں شامل نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا دستور تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے

نصف ہوتی تھی۔ دیت میں ہر قسم کے ظلم و تعدی کو اسلام نے مٹا دیا لیکن عورت کی دیت کا مرد کی دیت سے نصف ہونا ان کا دستور تھا جسے اسلام نے برقرار رکھا۔

اس کے بعد قائلین مساوات کا یہ کہنا کہ اسلام اور قرآن نے مرد و عورت کی ایک ہی مقدار دیت مقرر فرمادی۔ بہت بڑی جسارت اور اسلام و قرآن پر افترا ہے کسی دلیل شرعی یا آیت قرآنی میں عورت کی مقدار دیت کا مرد کے مساوی ہونا مذکور نہیں۔ لہٰذا یہ قول پوری امت مسلمہ کی تضلیل و تفسیق کے مترادف ہے۔

قائلین مساوات کے یہ مضامین اس اعتبار سے اور بھی زیادہ اندوہناک ہیں کہ ان میں ائمہ مجتہدین مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام لے کر ان کی علمی و اجتہادی عظمتوں کو قارئین کی نظروں میں حقیر اور بے وقعت کرنے کی سعی نامسعود کی جا رہی ہے۔ کیا یہ حضرات ایسے ناسمجھ اور بے علم تھے کہ اپنے ہی اصول اور دلائل کے نتائج کو نہ سمجھ سکے۔ حالانکہ قرآن و حدیث کے علوم اور مکمل دین ان ہی حضرات کے ذریعے ہمیں پہنچا۔ ان مقدسین کے بارے میں اس قسم کے مضامین شائع کرنا عامۃ المسلمین کو ان سے متنفر کرنا ہے۔ اس دور پرفتن میں ائمہ ہدیٰ کے خلاف یہ محاذ آرائی بے شمار فتنوں کو جنم دے سکتی ہے ہماری نوجوان تعلیم یافتہ نسل کے اذہان اس سے متاثر ہو کر ائمہ ہدیٰ سے بدظن ہو سکتے ہیں۔ پھر ممکن ہے کہ وہ الحاد اور دہریت کی راہیں اختیار کرلیں۔ میں اپنے ملک کے معزز اخبارات سے دردمندانہ اپیل کروں گا کہ وہ ایسے مضامین شائع نہ کریں تاکہ مزید فتنوں کے دروازے نہ کھلیں اور ملت اسلامیہ انتشار سے محفوظ رہے۔

تکملہ

عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے مساوی کہنے والے، سورۃ "النساء" کی آیت قتل خطا میں "مؤمناً" کے عموم میں مطلقاً ہر مؤمن اور ہر مؤمنہ کو شامل کرتے ہیں اور "دِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ" میں مقدار دیت کو سو اونٹ میں منحصر کر کے مؤمنہ کی دیت سو اونٹ ثابت کرتے ہیں۔

اس کے برعکس ہمارا موقف یہ ہے کہ لفظ "مؤمن" مذکر کا صیغہ ہے، وہ اپنے وضعی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے مؤمنہ کو شامل نہیں اور آیت کریمہ میں لفظ "مؤمن" کو علی الطلاق مؤمن اور مؤمنہ کے ہر فرد کے لئے عام کرنا بھی درست نہیں۔ مثلاً ہماری دشمن قوم سے (دارالحرب میں رہنے والا) مسلمان مرد ہو یا عورت، اس لفظ "مؤمن" میں ہرگز شامل نہیں۔ البتہ اس آیت کریمہ میں لفظ "مؤمن" اصالۃً مؤمنین کے اور تبعاً وتغلیباً مؤمنات کے ان تمام افراد کو عام ہے جن کے لئے عصمتِ مؤثمہ کے ساتھ عصمتِ متقومہ بھی ثابت ہو، یعنی اسلام کی وجہ سے جن کی جان کو تلف کرنا شرعاً ممنوع ہو اور ساتھ ہی دارالاسلام میں اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے جن کی جانیں اور اموال شرعاً محفوظ ہوں۔ تنہا عصمتِ مؤثمہ موجب کفارہ ہو جاتی ہے، موجب دیت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ دشمن قوم سے کسی مسلمان کو بطور خطا قتل کر دینا موجب کفارہ ہو سکتا ہے لیکن عصمتِ متقومہ یعنی دارالاسلام میں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے (عام اس سے کہ مقیم مسلمان ہو یا کافر، آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت اور کافر بھی مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ کافر ذمی یا مستامن ہو کر دارالاسلام میں مقیم ہو) اگر ان میں سے کسی کو کوئی مسلمان خطاً قتل کر دے تو اس کے قتل میں کفارہ کے ساتھ) دیت بھی ضرور واجب ہو گی عصمتِ متقومہ ہی موجب

دیت کا سبب ہے۔

ہمارے اجلّہ فقہا اور مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ شرطِ وجوبِ دیت کی دو قسمیں ہیں؛ ایک عصمت یعنی معصوم الدم ہونا، دوسری تقوّم یعنی دارالاسلام میں اقامت پذیر ہونا۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کی وجہ سے معصوم الدم ہو لیکن دارالاسلام میں قیام نہیں رکھتا بلکہ دارالحرب میں ہے تو اس کے قتلِ خطا میں بحکمِ شرع دیت نہیں۔ وجوبِ دیت کے لئے ضروری ہے کہ مقتول اسلام، میثاق یا استیمان کی وجہ سے معصوم الدم بھی ہو اور دارالاسلام میں قیام پذیر بھی ہو۔ اس میں مرد، عورت، آزاد، غلام، مومن، ذمی، مستامن دکافر سب کا حکم یکساں ہے۔ "بدائع صنائع" میں ہے: شرط اصل الوجوب فنوعان احدهما العصمة وهو ان يكون المقتول معصوما۔ یعنی "اصلِ وجوبِ دیت کی شرط دو قسم ہے؛ ایک عصمت، یعنی مقتول کا معصوم الدم ہونا۔" اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں: الثانی التقوم وهو ان يكون المقتول متقوما۔ "شرط کی دوسری قسم تقوم ہے، یعنی مقتول کا دارالاسلام میں مقیم ہونا۔"
(بدائع صنائع: ج: ۷، ص: ۲۵۲، زیلعی علی الکنز: ج: ۲، ص: ۱۲۸، تکملہ بحرالرائق: ج: ۸، ص: ۳۲۹، مجمع الانہر: ج: ۲، ص: ۶۳۹، تفسیرِ مظہری: ج: ۲، ص: ۱۹۲)

اس مقام پر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ وجوبِ دیت کی دلیل سورۃ "النساء" کی یہی ایک آیت ہے، جس میں دو جگہ "دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ" کے الفاظ وارد ہیں۔ "بدائع صنائع" میں ہے: ان وجوب الدية ثم يعرف الا بنص الكتاب العزيز و هو قوله تبارك وتعالى: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ۔ یعنی "وجوبِ دیت کی معرفت ہمیں قرآنِ مجید کی صرف اس آیت سے حاصل ہوئی: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً" الآیہ۔ ثابت ہوا کہ وجوبِ دیت کی دلیل یہی آیت

ہے اور لفظ "دیت" میں دونوں جگہ اصالتاً یا تبعاً سب دیات شامل ہیں اور وہ احادیث جن میں مرد، عورت، غلام یا ذمی کی دیت کا ذکر آیا ہے ان سب کی بنیاد بھی یہی آیت کریمہ ہے اور وہ سب احادیث اسی قرآنی دیت کی مقدار کے اجمال کا بیان ہیں۔ اگرچہ لفظ "مؤمن" مذکر ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے، عورت اس صیغہ میں شامل نہیں مگر بدلیل " وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ " اور " اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ " مرد اصل کا درجہ رکھتا ہے اور عورت تبعاً مرد کے حکم میں شامل اور اس کے ساتھ ملحق ہے، جس طرح قتل کی وہ اقسام جو آیت میں ذکر نہیں اور ان میں دیت واجب ہوتی ہے وجوبِ دیت میں وہ قتلِ خطا کے ساتھ ملحق ہیں، یا جیسے مستامن وجوبِ دیت میں ذمی کے ساتھ ملحق ہے۔ قرآن مجید میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں، مثلاً " حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ " میں تثنیہ کی ضمیر کا مرجع صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ہیں، کیونکہ وہی دونوں اصل ہیں۔ اگرچہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بھی ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے (قسطلانی شرح بخاری: ج: ۱، ص ۲۵۲) لیکن ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ اصل کے ساتھ تابع کا ذکر ضروری نہیں ہوتا، وہ اپنی اصل کے حکم میں تبعاً شامل ہوتا ہے۔ اسی نوعیت سے اکثر احکامِ شرعیہ میں عورتوں کا مردوں کے حکم میں شامل ہونا قرآن مجید میں بکثرت وارد ہے۔ مثلاً " وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ " " لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا " اور " لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ "، یہ سب مذکر کے صیغے ہیں جو اصالتاً مردوں کے لئے نازل ہوئے لیکن ان میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ تبعاً شامل ہیں۔ صراحتاً عورتوں کے ذکر کے ساتھ احکام نازل نہ ہونے کی بنا پر ہی حضرت ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا: ما ارٰی

کل شیء الا للرجال و ما اری للنساء یذکرن بشیء فنزلت: اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ۔الآیہ، یعنی میں ہر چیز میں مردوں ہی کا ذکر دیکھتی ہوں، عورتوں کا ذکر کسی شے میں نہیں پاتی، اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ۔الآیہ (جامع ترمذی: ج:۲، ص: ۱۵۳،۱۵۲)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت اسی حدیث کو حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بروایت امام احمد و نسائی اور ابن جریرؒ نقل کیا (تفسیر ابن کثیر: ج:۳، ص: ۴۸۶)۔

سورۂ احزاب کی آیت: "اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ" میں بھی یہی حکمت پائی جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سورۂ احزاب ۵ھ میں نازل ہوئی جبکہ نماز مردوں اور عورتوں پر بہت پہلے ہی فرض ہو چکی تھی مگر اقامتِ صلوٰۃ کا حکم سورۂ احزاب سے پہلے مذکر ہی کے صیغوں کے ساتھ نازل ہوا تھا، عورتوں پر صلوٰۃ و زکوٰۃ کی فرضیت مردوں کے ساتھ تبعاً ثابت تھی۔

خلاصہ یہ کہ آیتِ قتلِ خطا میں لفظِ "دیت" دونوں جگہ اصالتاً مرد ہی کے لئے ہے، جیسا کہ امام محمد بن حسن شیبانی اور ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا اور اسی بنیاد پر انہوں نے ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کے برابر ثابت کیا لیکن انہوں نے مقدارِ دیت کے اجمال کی مطلقاً نفی کر کے وجوبِ دیت میں کسی کے تبعاً شامل ہونے کا انکار نہیں فرمایا اور بالنسبۃ الیٰ کتاب اللہ، مقدارِ دیت کو مجمل اور مبہم ہی قرار دیا۔ ذمی کے مرد ہونے کی حیثیت سے عرف و عادت میں اس کی دیت سو اونٹ متعارف تھی مگر ذمی ہونے کی حیثیت سے متعارف نہ تھی۔ امام ابوبکر جصاص نے ذمی کی دیت کا ابہام دور کرنے کے لئے

وُہ حدیثیں وارد کیں جن میں ذمی کی مقدارِ دیت کا بیان ہے۔ اور بعض مفسّرین' جیسے امام قرطبی نے ان احادیث کو وارد کیا جن میں مرد کی مقدارِ دیت کا بیان ہے اور بعض دُوسرے مفسّرین و محدثین نے مقدارِ دیت کے اجمال کے بیان میں ان احادیث کو وارد کیا جن میں مرد، عورت اور غلام سب کی مقدارِ دیت وارد ہے، جیسے صاحب تفسیرِ مظہری کہ اُنہوں نے مقدارِ دیت کو مجمل کہہ کر اس کے بیان میں مرد، عورت اور غلام' سب کی مقدارِ دیت پر مشتمل احادیث کو وارد کر کے مقدارِ دیت کے اجمال و ابہام کا بیان وارد فرمایا اور امام محمد بن نصر مروزی نے مقدارِ دیت کو مُبہم اور مجمل کہہ کر مردوں اور عورتوں، دونوں کی مقدارِ دیت پر مشتمل احادیث کو اپنی کتاب "المختصر" میں وارد فرما کر اس اجمال و ابہام کا بیان فرمایا۔

کسی شخص کا یہ کہنا کہ لفظِ "دیۃ" بیانِ مقدار میں بالکل مجمل نہیں' قطعاً غلط اور واقع کے خلاف ہے۔ امام ابوبکر جصّاص نے بھی ذمّی کی دیت کو بحیثیت ذمّی ہونے کے مُبہم اور مجمل مانا ہے۔ اس کے بیان میں اُنہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیثیں وارد کی ہیں اور دیتِ مُومن کو بھی اجلّہ مفسّرین نے باعتبارِ مقدار' مبہم اور مجمل کہا جس کے بیان میں انہوں نے مُومن، مُومنہ، عبد و حُر سے متعلق احادیث مقدارِ دیات کو وارد کیا جن سے ہر ایک کی مقدارِ دیت کا بیان ہمارے سامنے آگیا، جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔

دیتِ مُومن میں مُومنہ کی دیت کو شامل نہ ماننے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ابوبکر جصّاص نے لفظ "دیۃ" کو صرف مرد کی دیت کے لئے خاص کیا ہے۔ وُہ فرماتے ہیں ؛ عورت کی دیت کو "دیۃ" نہیں کہا جاتا جب تک کہ اُسے "نصف الدیۃ" یا "دیۃ المرأۃ" کی قید کے ساتھ مُقیّد نہ کیا جائے۔ چنانچہ مسلم و ذمّی کی دیت کے مُساوی ہونے کی بحث میں امام

جصاص تحریر فرماتے ہیں : ان دیۃ المراۃ لا یطلق علیہا اسم الدیۃ و انما یتناولہا الاسم مقیداً الا تری انہ یقال دیۃ المراۃ نصف الدیۃ۔ یعنی "عورت کی دیت پر " الدیۃ " کا لفظ نہیں بولا جاتا، لفظ " الدیۃ " عورت کی دیت کو اسی وقت شامل ہوگا جبکہ وہ " المراۃ " کی قید سے مقید ہو، " دیۃ المراۃ نصف الدیۃ " کا مقولہ سب لوگ جانتے ہیں " (احکام القرآن : ج ۲، ص : ۲۹۰)۔

میں عرض کرونگا کہ اس میں شک نہیں کہ عورت کی دیت کے لئے " نصف الدیۃ " اور " دیۃ المراۃ " کے الفاظ مقید ہوکر بھی اکثر مستعمل ہیں لیکن امام جصاص کے اس قول کو قاعدہ کلیہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے اکثریہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ عورت کی دیت پر " الدیۃ " کا لفظ قید مذکور کے بغیر متعدد احادیث و استعمالات میں وارد ہے بلکہ خود امام جصاص کے قول میں بھی لفظ " الدیۃ " اس قید کے بغیر اسی احکام القرآن میں موجود ہے۔ دیکھئے عورت کی دیت کے بارے میں وہ فرماتے ہیں : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوجب الدیۃ علی عاقلۃ القاتلۃ (ج ۲، ص : ۲۸۰)۔ یہاں امام جصاص نے لفظ " الدیۃ " کو صرف عورت کی دیت کے لئے استعمال کیا ہے۔ بخاری شریف میں مرد و عورت دونوں کے لئے لفظ " الدیۃ " اس قید کے بغیر متعدد مقامات پر وارد ہے۔ دیکھئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے : "کان فی بنی اسرائیل القصاص ولم تکن فیہم الدیۃ "۔ اسی صفحہ پر دوسری جگہ ہے : " فالعفو ان یقبل الدیۃ فی العمد "۔ تیسری جگہ وارد ہے : " فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ قتل بعد قبول الدیۃ " (ج ۲، ص : ۶۴۶) اور ج ۲، ص : ۱۰۱۲ پر ہے : "عن مجاھد عن ابن عباس قال کان فی بنی اسرائیل قصاص ولم تکن فیہم الدیۃ " ۔

اسی صفحہ پر دوسری جگہ ہے: "قال ابن عباس فالعفو ان یقبل الدیۃ فی العمد"۔
ان تمام مقامات پر لفظ "الدیۃ" مرد اور عورت دونوں کی دیت کے لئے ہے۔ صرف عورت کی دیت کے لئے بھی قید مذکور کے بغیر لفظ "الدیۃ" متعدد احادیث میں وارد ہے۔
نسائی شریف میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "فقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عصبۃ القاتلۃ بالدیۃ"۔ ان کی ایک اور روایت میں ہے: "فقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالدیۃ علی عصبۃ القاتلۃ"
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "فقضی علی العاقلۃ الدیۃ"
(نسائی: ج: ۲، ص: ۲۱۶)۔ ان سب روایات میں لفظ "الدیۃ" بلا قید صرف عورت کی دیت کے لئے وارد ہوا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود ابو بکر جصاص نے بھی ان روایات کو جن میں بلا قید لفظ "الدیۃ" عورت کی دیت کے لئے وارد ہے، اپنی تفسیر احکام القرآن میں نقل فرمایا (دیکھئے: ج: ۲، ص: ۲۴۰، ۲۷۹)۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض قواعد بظاہر قواعد کلیہ نظر آتے ہیں لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلیہ نہیں۔ جیسے "نور الانوار" میں قاعدہ بیان کیا: "النکرۃ اذا اعیدت معرفۃ کانت الثانیۃ عین الاولیٰ واذا اعیدت نکرۃ کانت الثانیۃ غیر الاولیٰ" (ص: ۷۹)۔ حالانکہ اس قاعدے کی کلیت آیت کریمہ "وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ" (سورۃ زخرف: آیت: ۸۴) سے منقوض ہے۔

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت شان اور تبحر علمی حقیقت ثابتہ ہے۔ علماء نے انہیں فقہا کے چوتھے طبقہ (اصحاب تخریج) میں شمار کیا اور بعض اہل علم نے ان کے رسوخ فی العلم اور کمال فضل و شرف کی بنا پر انہیں طبقہ ثالثہ (مجتہدین فی المسائل) کا اہل سمجھا۔ ان کی

باوجود اُن کے ساتھ بعض محققین کے مناقشات مشہور و معروف ہیں، مثلاً علامہ جلال الدین محمود
بن احمد البخاری الحصیری الجبیر (مولود ۵۴۶ھ متوفی ۶۳۶ھ) اپنی شرح علی الجامع الکبیر
للامام محمد بن حسن الشیبانی المسمّٰی بہ "التقریر" میں اُن مسائل کثیرہ میں امام جصاص کا مناقشہ
کرتے ہیں جن مسائل میں امام جصاص متفرد تھے (مقدمہ الجامع الکبیر، ص: ۵). صرف یہی نہیں
بلکہ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا: قال الصفار کثیرا ما جربنا الطحاوی فلم نجده
غالطا وکثیرا ما جربنا الجصاص فوجدناه غالطا (رد المحتار علی الدر المختار: ج: ۲،
ص: ۲۱۶). لیکن اتنی بات سے ائمہ دین کے فضل و شرف میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔
دیکھئے، امام ترمذی کیسے عظیم و جلیل امام المحدثین ہیں، اُنہوں نے اپنی جامع ترمذی میں حضرت
ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: "لم یسمع من ابیہ ولا یعرف
اسمہ (ص: ۴۰). علامہ بدر الدین عینی نے امام ترمذی کا رد کرتے ہوئے طبرانی اور حاکم کی روایۃ
سے ابو عبیدہ کی سماع اُن کے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ثابت کی اور امام ترمذی کے قول:
"ولا یعرف اسمہ" کے خلاف ان کا نام "عامر" بتایا اور بروایۃ ابی عبیدۃ عن عبد اللہ
ابن مسعود، جامع ترمذی ہی سے وہ تین حدیثیں نقل کیں جنہیں امام ترمذی نے "حسن" کہا۔
امام عینی نے امام ترمذی پر رد کرتے ہوئے فرمایا: ومن شرط الحدیث الحسن ان
یکون متصل الاسناد عند المحدثین (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۱، ص ۴۳)
غور فرمائیے، امام ترمذی حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ابو عبیدہ کی سماع کا انکار کرچکے ہیں،
اس کے بعد وہ تین حدیثوں کو کس طرح "حسن" قرار دے رہے ہیں جبکہ حدیثِ "حسن"
کے لئے متصل الاسناد ہونا محدثین کے نزدیک شرط ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اُن کے اوہام بھی محدثین کے نزدیک مشہور و معروف ہیں،

مگر اس کے باوجود نہ امام ترمذی کا تساہل اُن کی عظمتِ شان میں کسی قسم کا موجب ہے نہ امام بخاری کے اوہام ان کی جلالتِ شان میں کمی کا باعث ہیں۔ اسی طرح امام جصاص کی عظمتِ شان میں بھی کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

اس کے بعد میں عرض کروں گا کہ کتبِ فتاویٰ میں اُس مال کو دیت کہا گیا ہے جو جان کا بدلہ ہو۔ دُرِّ مختار میں ہے: الدیۃ فی الشرع اسم للمال الذی ھو بدل النفس لا تسمیۃ للمفعول بالمصدر لانہ من المنقولات الشرعیۃ (الدر المختار شرح تنویر الابصار، کتاب الدیات بہامش شامی: ج: ۵، ص: ۴۰۶)۔ نیز یہ کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا بعض حصّہ نہیں بلکہ فی نفسہا وہ دیتِ کاملہ ہے لیکن وہ دیتِ اُنثیٰ ہے۔ (بدائع الصنائع: ج: ۷، ص: ۲۵۸)۔ جس طرح وجوبِ دیت کی دلیل سُورۃ "النساء" کی آیت: "وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً" میں "وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ" کے سوا کوئی اور نہیں، اسی طرح کفّارۂ قتل کی دلیل بھی صرف یہی آیتِ کریمہ ہے: "فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ"۔ اب اگر لفظِ "مُؤْمِنًا" میں "مُؤْمِنَة" کو تبعاً بھی شامل نہ مانا جائے اور دیت و کفّارہ کے حکم میں اس کے شمول کا قول نہ کیا جائے، اور مقدارِ دیت کو مؤمن و مؤمنہ کے حق میں مجمل نہ مانا جائے، اور اس توجیہ کو "تفسیر بالرّای" قرار دیا جائے تو مؤمنہ کے قتلِ خطا میں نہ کفّارہ ثابت ہوگا اور نہ دیت، جبکہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے: "رجل ضرب امراۃ فی ادب فماتت - قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ علیہ الدیۃ و الکفارۃ" (قاضیخان بہامش عالمگیری: ج: ۳، ص: ۴۴۴، طبع مصر)۔ اس عبارت میں عورت کے قتلِ خطا میں وجوبِ کفّارہ کی تصریح ہے اور ساتھ ہی عورت کی دیت کو بغیر قید کے لفظ "الدیۃ" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

بالفرض اگر دیت سے قطع نظر کرکے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ "مؤمن" میں "مؤمنہ" ہرگز شامل نہیں تو ایسی صورت میں مؤمنہ وجوبِ کفارہ کے حکم میں کیسے شامل ہوگی؟ اور اُس کے قتلِ خطا میں کفارے کی دلیل کہاں سے آئے گی؟۔

ان دلائل کی روشنی میں لفظ "مؤمن" میں "مؤمنہ" کے تبعاً شمول کے بعد اگر لفظِ "دیۃ" کو بیانِ مقدار میں مجمل تسلیم نہ کیا جائے تو عورت کی دیت بھی سو اونٹ قرار پائے گی جو احادیثِ نبویہ اور اجماعِ اُمّت کی روشنی میں قطعاً باطل ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ لفظِ "دیت" قرآن مجید میں بیانِ مقدار میں مجمل ہے۔

معلوم ہوا کہ لفظ "مؤمن" میں "مؤمنہ" تبعاً شامل ہے اور آیتِ کریمہ میں "فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ" اور "وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ" کے جملے دونوں کے قتلِ خطا میں وجوبِ کفارہ اور وجوبِ دیت کی دلیل ہیں، البتہ لفظِ "دیت" بیانِ مقدار میں مجمل ہے، اُس کا بیان احادیث و اجماعِ اُمّت کی صورت میں ہمارے سامنے آگیا جس کے ذریعے مرد و عورت ہی کی نہیں بلکہ غلام کی مقدارِ دیت بھی ہمیں معلوم ہوگئی

وكذلك وجوب الكفارة والدية فى قتل الخنثى خطأ لا يثبت الا بعد قبول الشمول فى عموم هذه الآية واجمال لفظ الدية فى المقدار، والله تعالى اعلم۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين۔

ہدیۂ عقیدت

بحضور امامِ اہلسنّت حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی مدظلہ العالی

نتیجۂ فکر: جناب محمد خالد جذبی سعیدی

مخزنِ لطف و عطا ہیں حضرت احمد سعید
قلزمِ جود و سخا ہیں حضرت احمد سعید

جن سے ہے عشاق کے قلب و نظر میں تازگی
وہ بہارِ جاں فزا ہیں حضرت احمد سعید

عظمتِ کردار کے اغیار بھی ہیں معترف
پیروِ خیر الوریٰ ہیں حضرت احمد سعید

قافلہ سالارِ عشاقِ شہ کون و مکاں
رُوحِ بزمِ اصفیا ہیں حضرت احمد سعید

چار سُو ماحول میں ہے تیرگی ہی تیرگی
ایسے میں دیں کی ضیا ہیں حضرت احمد سعید

اک نمونہ رحمت للعالمین کے خُلق کا
ایک پیکر صبر کا ہیں حضرت احمد سعید

خالد جذبی نہ کیوں منزل مرے قدموں میں ہو
رہبرِ راہِ ہدیٰ ہیں حضرت احمد سعید

بزمِ سعید لاہور

تعارف • اغراض و مقاصد • عہدیداران

تعارف: کسی فرد یا جماعت کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ اسے کسی عالم باعمل کی راہنمائی میں تعلق باللہ کی منازل طے کرنے کا موقع فراہم ہو جائے۔

غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں امام اہلسنت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی ذات بابرکات اس مادی دور میں متلاشیان حق کے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ملک کے اطراف واکناف اور بیرون ملک سے کثیر التعداد اہل اسلام کو آپ کے حلقۂ ارادت میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام سعیدی بھائی جہاں فرداً فرداً حضرت مرشد گرامی کے فرمودات پر عمل کرتے ہیں۔ اجتماعی صورت میں ان ارشادات گرامی پر عمل پیرا ہو کر سعادت دارین سے بہرہ ور ہوں اور حضرت غزالیٔ زماں کے عظیم مشن تبلیغ و اشاعت دین کو آگے بڑھانے کی حتی الامکان سعی کریں۔

چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر لاہور میں مقیم سعیدی بھائیوں

نے "بزم سعید" کے نام سے ایک بزم تشکیل دیکر حضرت مرشد گرامی کی تصنیف لطیف "اسلام میں عورت کی دیت" کی اشاعت سے بزم کے اغراض ومقاصد کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کر دیا ہے۔ امید ہے کہ دوسرے شہروں کے سعیدی بھائی بھی اس جانب توجہ فرمائیں گے

اغراض ومقاصد

۱. تمام برادران طریقت کا باہمی تعارف۔
۲. ماہانہ مجلس ذکر وتبلیغ کا انعقاد۔
۳. وقتاً فوقتاً حسب استطاعت علمی مجالس مذاکرہ کا انعقاد۔
۴. حضرت غزالی دوراں زید مجدہم کے علمی جواہر پاروں کی حتی المقدور اشاعت۔
۵. اپنے اپنے علاقہ میں تبلیغ دین کی تحریک۔

نوٹ

بزم سعید کے انتخابی اجلاس مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۴ء میں کیے گئے فیصلہ کے مطابق ماہانہ مجلس ذکر وتبلیغ ہر انگریزی ماہ کے پہلے جمعہ کو بعد نماز عصر منعقد ہوتی ہے۔

عہدیداران

صدر ـ ـ ـ ـ ـ ـ الحاج شیخ محمد سلیم سعیدی

نائب صدر ـ ـ ـ ـ ـ الحاج حافظ محمد عبد الستار سعیدی

ناظم اعلیٰ ـ ـ ـ ـ ـ مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی

نائب ناظم اعلیٰ ـ ـ ـ مولانا محمد اسلم سعیدی

ناظم نشر و اشاعت ـ ـ ـ محمد ریاض ہمایوں سعیدی

معاون ناظم نشر و اشاعت ـ ـ محمد اسلام سعیدی

خازن ـ ـ ـ ـ ـ ـ الحاج محمد یعقوب سعیدی

کنوینر برائے کامنہ نو ـ ـ محمد اشرف سعیدی

رابطہ دفتر

الحاج شیخ محمد سلیم صاحب جاوید شو کمپنی شو مارکیٹ لاہور

فون نمبر ۵۳۸۸۹ / ۳۲۴۷۱۳

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی مدظلہ العالی کی تصانیف کی مختصر فہرست



- تسبیح الرحمٰن عن الکذب والنقصان
- مقالاتِ کاظمی (۲ جلد)
- تسکین الخواطر
- معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- تقدیرِ منیر
- حجیتِ حدیث
- مکالمۂ کاظمی و مودودی
- تحقیقِ شیبانی
- نفی الظل والفئی
- کتاب التراویح
- الحق المبین
- اسلام اور سوشلزم
- التبشیر برد التحذیر
- میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- اسلام اور عیسائیت
- رجم اسلامی سزا ہے۔

حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ

کا

ترجمۃ القرآن

مع حواشی مکمّل ہو کر زیرِ کتابت ہے، انشاء اللہ تعالیٰ

جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آنے والا ہے!



مجموعہ احادیث

مؤلفہ

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی مدظلہٗ



عقائد و اعمال، عبادات و معاملات، اخلاق و آداب پر مشتمل احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کا زرّیں مجموعہ زیرِ ترتیب ہے انشاء اللہ العزیز ترجمہ اور ضروری تشریحات کے ساتھ عنقریب شائقینِ کرام کی خدمت میں پہنچے گا۔

تعلیم و تبلیغ کے عظیم منصوبہ

مرکزی جامع مسجد مدرسہ انوار العلوم نیو ملتان

کا سنگ بنیاد مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۸۵ء کو

غزالی زماں رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ

نے اپنے دست مبارک سے رکھدیا ہے

مخیر حضرات سے جامع مسجد کی تعمیر میں

بھرپور تعاون

کی اپیل ہے

فون نمبر ۳۰۳۳۶

منجانب: اراکین مدرسہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان